بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعلیم الایمان

ہم کیسے سمجھیں کہ

اللہ ہے؟

مصنف

مولانا مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحیؒ

(صدر شعبۂ تخصص والدعوہ، دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد)

ناشر: عظیم بک ڈپو، نزد جامع مسجد دیوبند، یوپی

حق طباعت غیر محفوظ

(بغیر کسی تبدیلی کی چھپوانے کی عام اجازت ہے)

نام کتاب:۔ ہم کیسے سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ ہے؟

مصنف:۔ مولانا مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحیؒ

سنہ طباعت:۔ ۲۰۰۸ء

تعداد اشاعت:۔ 500

کمپیوٹر کتابت:۔ گریٹ گرافکس، جمال مارکٹ، چھتہ بازار، حیدرآباد

ناشر:۔ عظیم بکڈپو، دیوبند، یوپی، انڈیا۔ 09997177817

☆☆☆☆☆

اس کتاب کے علاوہ اسماءِ الٰہی میں غور وفکر کے لئے ہماری کتاب تعلیم الایمان کے تمام حصے پڑھئے اور ایمان بالکتب، ایمان بالرسالۃ، ایمان بالآخرۃ، ایمان بالقدر (تقدیر) پر شعوری اور عقلی اعتبار سے ایمان پیدا کرنے کیلئے "ایمانِ مفصل کو سمجھانے کا طریقہ" پڑھئے، اس کے علاوہ اولاد کو مسلمان بنانے اور لڑکیوں کو شادی سے پہلے باشعور بنانے والی دونوں کتابیں ضرور پڑھئے اور اپنے خاندان میں تحفہ دے کر دعوتِ دین کا حق ادا کیجئے۔

عظیم بکڈپو دیوبند یوپی سے ہماری تمام کتابیں حاصل کرسکتے ہیں۔

فہرست مضامین

براۓ مہربانی کتاب میں عنوانات ملاحظہ کیجیے

فہرست مضامین

براۓ مہربانی کتاب میں عنوانات ملاحظہ کیجیۓ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اس کتاب کو پڑھنے سے قبل اس مضمون کو ضرور پڑھیئے

وجود باری تعالیٰ کو سمجھنا کیوں ضروری ہے؟

موجودہ زمانے میں غیر مسلموں کی ایک کثیر تعداد وجود باری تعالیٰ کی قائل ہی نہیں اور وہ اپنے مذہب سے بیزار ہو کر دہریے بنے ہوئے ہیں۔ ایسے دہریے لوگ جب خدا کو ماننے والوں سے ملتے ہیں تو اپنے گمراہ خیالات کے ذریعہ دوسروں کو بھی شک و شبہ میں مبتلا کرنے اور اُن کو دقیانوس و گمراہ سمجھتے ہیں۔ ان کے خیالات سے بعض مسلمان بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ چونکہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد قرآن مجید کو سمجھ کر نہیں پڑھتی اس لئے ان کی گمراہ باتوں سے متاثر ہو کر یہ لوگ بھی اپنے عقیدۂ ایمان میں شکوک و شبہات پیدا کر لیتے ہیں اور بعض تو دھوکا کھا کر دہریے خیالات ہی کے تحت زندگی گذارتے ہیں۔ اس کتاب کو خاص طور پر تیار کرنے کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد روایتی اور تقلیدی ایمان رکھتی ہے اور جو بچے مغربی مشن اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ بھی کمزور تقلیدی ایمان رکھتے اور دہریے خیالات کا شکار ہوتے ہیں اور برائے نام اپنے جسم کے نام سے مسلمان بنے ہوئے رہتے ہیں، اسی کمزور، روایتی اور تقلیدی ایمان کی وجہ سے وجود باری تعالیٰ کے متعلق کوئی صحیح اور پختہ علم نہیں رکھتے اور خدا کے وجود پر کوئی دلیل دے نہیں سکتے۔ چنانچہ وہ خدا کیلئے نہ ویسا جذبہ رکھتے ہیں اور نہ اس کو پکارنے کیلئے بے چین رہتے ہیں اور نہ اُس سے راز و نیاز کرنے اور اس کی یاد قائم کرنے کیلئے اس کی عبادات کا اہتمام

کرتے ہیں۔ آج مسلمانوں کی دین سے دوری اور خدا سے دوری اور دین پر کمزور انداز میں چلنے کی ایک بڑی وجہ اللہ تعالیٰ کے ہونے کا کمزور یقین بھی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے وجود کے یقین کو شعوری، حقیقی اور مضبوط بنایا جائے تو پھر ایمان والوں پر اللہ تعالیٰ کا رنگ چڑھ سکتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے جیسا تعلق قائم کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ جیسا جذبہ رکھنا چاہیے وہ پیدا ہو سکتا ہے۔ چنانچہ وہ اسی جذبہ کے تحت اس کی یاد کو قائم کرنے کے لئے نماز کا بھی اہتمام کریں گے، اُسی کے گُن گائیں گے اور اُسی کو بار بار پکاریں گے اور اپنی ساری ضرورتیں و حاجتیں اُسی کے سامنے پیش کرنے کیلئے دوڑیں گے۔ افسوس ہے ہماری حالت پر کہ ہم اپنی حاجات و ضروریات میں جتنا زیادہ حکومت کے وزیروں اور حاکموں کی طرف رجوع ہوتے ہیں اس کا ۲۵ فیصد بھی اپنے مالکِ حقیقی اور پروردگار کی طرف رجوع نہیں ہوتے۔ اس لئے کہ وزیروں اور حکمرانوں کی موجودگی کا یقین اور احساس ہے۔ اسی لئے بار بار اُن سے فریاد کرتے ہیں مگر خدا کی موجودگی اور اس کی طرف رجوع ہونے کا احساس بہت ہی کم ہوتا ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ یا تو مالک کائنات کے ہونے کا جیسا شعور ہونا چاہیے ویسا شعور نہیں یا پھر دیکھا دیکھی سناسنی روایتی انداز میں باپ دادا کی تقلید میں خدا کو مانا جا رہا ہے۔

اس کتاب کو تیار کرنے کا مقصد یہ بھی ہے کہ ایک اِنسان خدا پر ایمان لانے سے پہلے خوب اچھی طرح وجود باری تعالیٰ کو عقلی اعتبار سے سمجھ لے اور سو فیصد نہیں دو سو فیصد اس کو یقین ہو کہ اس کا خدا موجود ہے اور وہ ہر طرح ہر گھڑی اس کی اور کائنات کی نگرانی کر رہا ہے۔ اگر شیطان انسانوں کے دلوں میں یہ وسوسہ ڈال دے کہ واقعی خدا ہے یا نہیں یا دہریے اور کافر لوگ اپنے غلط خیالات سے گمراہ کرنا چاہیں، تو ایک ایمان والا اپنے دل کو اور گمراہ انسانوں کو سچائی اور حقیقت سمجھا کر اُن کو گمراہی سے بچائے اور

سیدھے راستے کی دعوت دے۔اس لئے ہر وہ بچہ یا وہ انسان جو اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا اعلان کررہا ہو تو اس کو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کیلئے سب سے پہلا سبق وجود باری تعالیٰ کو خوب اچھی طرح سمجھایئے اور کم از کم سال میں ایک مرتبہ اس عنوان کو اسکے سامنے مختلف مثالوں سے دُہرایئے تا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو ہر لمحہ ہر گھڑی یادرکھے' بھولنے نہ پائے اور اس کا یقین اللہ تعالیٰ کی موجودگی پر سے کمزور ہونے نہ پائے' اگر مسلمان نسلی' تقلیدی اور روایتی انداز کی جگہ حقیقی اور شعوری اعتبار سے اللہ تعالیٰ کو مان لیں تو پھر ایسے انسانوں کی کیفیت ہی دوسری ہوتی ہے۔ایسے انسانوں کی نگاہ ہر گھڑی ہر لمحہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ہوگی اور وہ اُسی کی محبت اور اُسی کے ڈر وخوف میں زندگی گذاریں گے اور اسکی فرمانبرداری کیلئے تڑپیں گے۔اس مضمون کو ہم نے عورتوں' بچوں' بے شعور اور شعور مند مردوں' عورتوں پر پیش کر کے تجربہ کیا ہے۔الحمدللہ اس کے بہت ہی اچھے اثرات نظر آئے آپ حضرات بھی اسکو ایک مرتبہ اپنے گھر کے افراد پر پیش کر کے دیکھیئے' انشاء اللہ بہت جلد فائدہ ہوگا۔اس مضمون کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ سے دُوری کو توڑنے اور اللہ تعالیٰ کے غلبے کو طاری کرنے کے لئے تیار کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ کی اطاعت کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہونے کا بھر پور یقین ہونا ضروری ہے اگر کسی انسان کو یہی یقین نہ ہو تو وہ اس کی اطاعت کہاں سے کرے گا۔

وجود باری تعالیٰ کے اس عنوان کو ایمان باللہ کے سبق میں پہلا عنوان دیتے ہوئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھا کر اللہ تعالیٰ پر کامل ایمان لانے کی مضبوط طریقے سے تعلیم دینا مقصود ہے

از : **عبداللہ صدیقی**

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتاً فَاَحْيَاكُمْ ج ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (سورہ بقرہ ۲۸) ترجمہ : تم اللہ کو کیسے نہیں مانتے جب کہ تم بے جان تھے اُس نے تم کو زندگی عطا کی' پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا' پھر وہی تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا' پھر اُسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخٰلِقُوْنَ (الطور آیت ۳۶)

ترجمہ : کیا یہ کسی خالق کے بغیر خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود اپنے خالق ہیں

وجود باری تعالیٰ کو کیسے سمجھیں؟

دنیا انسانوں اور جنوں کیلئے امتحان اور آزمائش کی جگہ ہے۔دنیا کی اس امتحان گاہ میں انسانوں اور جنوں پر امتحان کا طریقہ یہ رکھا گیا کہ وہ اپنے مالک' خالق اور پروردگار کو دیکھے بغیر صحیح طور سے پہچانیں اور اس کی اطاعت اور بندگی کریں۔جس طرح دنیا کے امتحانات میں کوئی ایک سوال لازمی اور ضروری ہوتا ہے' اس کو حل کئے بغیر دوسرے سوالات کے جوابات قبول نہیں کئے جاتے' بالکل اِسی طرح دنیا کی اس امتحانی زندگی میں انسانوں اور جنوں کیلئے اس سوال کو حل کرنا لازمی اور ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بغیر دیکھے پہچانے' مانے اور اسکی اطاعت کریں اگر پہچان میں غلطی ہوجائے تو پھر انسانوں اور جنوں کی ساری محنتیں بیکار ہوجائیں گی اور ان کی دوسری کسی قسم کی عبادتیں قبول نہیں کی جائیں گی۔

اللہ تعالیٰ کو ماننے یا نہ ماننے کی کھلی آزادی واختیار دیا گیا ہے

چنانچہ انسانوں اور جنوں کو اس بات کی پوری آزادی واختیار دیا گیا ہے کہ وہ دنیا کی اس زندگی میں چاہیں تو اپنے مالک کو مانیں یا اس کا انکار کریں۔اوران کو دنیا کی زندگی ختم ہونے تک مہلت دی گئی ہے کہ وہ اپنے مالک کو پہچان کر اس پر ایمان لائیں۔ جو انسان اور جن اپنے مالک کو آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق پہچان لے گا اور اس پر ایمان لے آئے گا اور اس کی اطاعت کرے گا وہ کامیاب ہوگا۔اور جو اپنی عقل وفہم سے پیغمبر کی تعلیمات کے خلاف اللہ تعالیٰ کو پہچاننے میں غلطی کرے گا وہ ناکام ہوجائے گا اور ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں چلا جائے گا۔

کافر انسانوں کا خیال :- چنانچہ دنیا کے اس امتحان گاہ کی آزادی کی وجہ سے انسانوں کی ایک تعداد مالک کے نظر نہ آنے پر اللہ تعالیٰ کا انکار کرتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود ہی کو نہیں مانتی۔ چنانچہ اسلئے بہت سے انسان پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں' جنہوں نے پیغمبروں کی تعلیمات کو چھوڑ کر اپنی عقل سے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی کوشش کی اور عقل کی غلط رہنمائی پر گمراہ ہوکر اللہ تعالیٰ کا انکار کر بیٹھے۔ ایسے انسانوں کو کافر یا دہریے (ناستک) کہتے ہیں۔کافر انسانوں کا خیال ہے کہ یہ کائنات ایک مادے کی شکل میں پڑی ہوئی تھی' مادہ خود بخود ایک خاص مقدار میں الیکٹرون بن گیا اور اُس میں زبردست دھماکہ ہوکر اڑ گیا۔ چنانچہ اس کا کچھ حصہ خود بہ خود زمین بنا' کچھ آسمان بنا' کچھ ہوا' کچھ پانی' کچھ نباتات' اور کچھ جمادات' بن گئے۔اس کائنات کا نہ کوئی بنانے والا ہے اور نہ پالنے والا ہے' اور نہ کوئی حاکم ہے' کائنات اور اس کی تمام چیزیں خود بخود بن رہی ہیں اور خود بخود پیدا ہورہی ہیں۔سورج' چاند' ستارے خود بخود بن گئے اور خود

بخود نکلتے اور غروب ہوجاتے ہیں' سردی' گرمی' اور برسات کے موسم خود بخود آتے اور جاتے رہتے ہیں اور ہر موسم میں پھل' پھول اپنے آپ پیدا ہوتے اور ختم ہوجاتے ہیں' دنیا میں جو لوگ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں ان کے تعلق سے کافر لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خدا کا تصوّر ایک غلط تصوّر ہے' کم تعلیم یافتہ' ان پڑھ' دقیانوسی اور بنیاد پرست' باپ دادا کی اندھی تقلید کرنے والے لوگوں کا یہ بے بنیاد عقیدہ اور خیال ہے کہ اس کائنات کا ایک خدا ہے اور یہ کائنات اُسی کی قدرت سے چل رہی ہے' یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر خدا ہے تو ہمیں نظر کیوں نہیں آتا؟ وہ کیسا ہے اور کہاں ہے؟ اور اس کائنات کو کیسے سنبھالے ہوئے ہے۔ یہ لوگ اسی انداز سے سوچتے ہوئے گمراہ ہوکر عقل پر بھر پور بھروسہ کرکے اللہ تعالیٰ کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔خوب اچھی طرح یاد رکھیئے کہ انسان کی غلط فکر' غلط خیال' اور غلط عقیدہ کا نتیجہ بھی غلط ہی ہوتا ہے۔اسلئے یہ لوگ غلط خیالات کا شکار ہوکر اللہ تعالیٰ کا انکار کردیتے ہیں اور کافر (ناستک) بن کر زندگی گذارتے ہیں۔

دنیا میں سب سے بڑا عقلمند اور سمجھدار کون ہے؟

حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ سب سے بڑا علم اللہ تعالیٰ کی معرفت (پہچان) ہے۔دنیا میں سب سے بڑا عقلمند اور سمجھدار انسان وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کو صحیح پہچانتا اور صحیح مانتا ہو اور سب سے بڑا بے وقوف وہ انسان ہے جو نہ اللہ تعالیٰ کو پہچانتا ہے اور نہ مانتا ہے چاہے وہ دنیا کا کتنا ہی پڑھا لکھا اور قابل انسان کیوں نہ ہو۔

کافر انسان کی مثال :- کافر انسانوں کی مثال ایسی ہے جیسے ایک بادشاہ کچھ لوگوں کو اپنے ملک میں رکھے اور اُن کیلئے بہت عمدہ ایر کنڈیشن بلڈنگ تیار کرے تا کہ وہ عزت وآرام سے رہ سکے۔ بلڈنگ میں کچھ نوکر بلڈنگ کی صاف صفائی کیلئے مقرر کردیئے

پھراُن لوگوں کیلئے باورچی بھی مقرر کئے تا کہ اُن کووقت پر کھانا پانی آسانی سے ملتا رہے۔ اُس بلڈنگ میں پھولوں' پھلوں کے باغات بھی لگائے تا کہ وہ اپنی غذائیں حاصل کر کے سُکون کے ساتھ زندگی گذار سکیں' اُن کیلئے سواریوں کا انتظام بھی کیا گیا تا کہ وہ باغ میں آسانی سے سیر وتفریح بھی کر سکیں۔اب اگر وہ انسان بادشاہ کی طرف سے جتنی نعمتیں ملیں اُن سب کو استعمال کرتے ہوئے اور فائدہ اُٹھاتے ہوئے سب سے پہلے یہ کہہ دے کہ ہم کسی کو بادشاہ یا حاکم نہیں مانتے' یہ تمام کی تمام چیزیں ہمیں خود بہ خود مل رہی ہیں' اس ملک کا نہ کوئی بادشاہ ہے اور نہ کوئی حاکم اور نہ انتظام کرنے والا۔

پس وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اور انکار کر کے کافر بن جاتا ہے اُس کا بھی یہی حال ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے آسمان کے نیچے سوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہوا استعمال کرتا ہے' اور اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا پانی پیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اُگائی ہوئی غذائیں استعمال کرتا ہے' اُسی کی روشنی سے فائدہ اُٹھاتا ہے' اُسی کی دی ہوئی قوت سے کام کرتا ہے' اور اُسی کی تمام چیزیں استعمال کرتا ہے' پھر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ہی کا انکار کر کے کافر بن جاتا ہے' اور کہتا ہے کہ میں نہ کسی کو مالک مانتا ہوں اور نہ خالق اور نہ رب یہ کائنات خود بہ خود بن رہی ہے اور خود بہ خود چل رہی ہے' یہ تمام چیزیں مجھے خود بہ خود مل رہی ہیں' ایسے انسانوں کو آپ نمک حرام کہیں گے سب سے بڑا پاگل وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو نہیں پہچانتا اور نہیں مانتا۔یہ بہت بڑی نا شکری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قوت سے فائدہ اُٹھائے' اللہ تعالیٰ کی چیزوں کو استعمال کرے' اور اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی غذاؤں کو کھائے اور پھر سب سے پہلے اللہ تعالیٰ ہی کا انکار کردے' ایسے انسانوں کو کافر کہتے ہیں جن کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کیلئے جہنم ہے۔

سمجھانے کے لئے ایک تمثیل :۔ ایک مرتبہ ایک بزرگ راستے سے تشریف لے جارہے تھے کہ اچانک ایک کتے کو پیر لگ گیا' بزرگ نے کہا! کہ اے کتے میں معافی چاہتا ہوں' تجھے میرا پیر لگ گیا ہے۔کتے کو اللہ تعالیٰ نے بات کرنے کی طاقت دی تو کتے نے کہا کہ حضرت آپ جیسے اچھے اور نیک انسان مجھ سے معافی مانگ رہے ہیں' مجھے شرم آرہی ہے' مجھے تو لوگ ہر روز جھڑکتے' دُھتکارتے' اور لاتیں مارتے ہیں۔

بزرگ نے کہا! نہیں نہیں تم میں ایک خاص خوبی ہے وہ یہ کہ تم جس کا کھاتے ہو اور جس کا پیتے ہو اور جس کے گھر میں رہتے ہو' جو تمہارا خیال رکھتا ہے' تو تم اپنے اس مالک کو خوب اچھی طرح پہچانتے بھی ہو اور اس سے تم محبت بھی کرتے ہو اور اس کے لئے تڑپتے بھی ہو۔وہ سوتا ہے تو تم رات بھر جاگ کر اُس کے گھر اور مال کی حفاظت بھی کرتے ہو۔اور اپنے مالک کی آمد پر دُم ہلا ہلا کر خوش ہوتے اور اُس کے پیروں میں لوٹتے بھی ہو' اور اُس کے اطراف گول پھرتے بھی ہو' مگر افسوس کہ میں انسان ہوتے ہوئے بھی آج تک اپنے حقیقی مالک کو صحیح نہیں پہچان سکا اور نہ اُس سے ویسی محبت کر سکا جیسا کہ کرنا چاہیے تھا۔حالانکہ اُسی کا کھاتا ہوں' اُسی کا پیتا ہوں' اور اُسی کے گھر میں رہتا ہوں' وہ دن رات میرا خیال رکھتا ہے اور بڑی ہی عزت' محبت' رحمت' اور شفقت کے ساتھ میری پرورش کر رہا ہے' اور مختلف چیزوں سے میری تواضع کر کے مجھے عزت دے رہا ہے' پھر بھی میں اُس سے غافل ہی غافل بنا ہوا ہوں' تو تم مجھ سے بہتر ہو' تم تو وفادار ہو اور میں بے وفا' ناشکرا' اور نمک حرام ہوں۔

غور وفکر کی ضرورت : ۔ ایک انسان اتنی بڑی کائنات کو رات دن چلتا ہوا دیکھ کر بھی یہ جاننے کی کوشش نہ کرے کہ اس کا چلانے والا اور بنانے والا کون ہے' تو یہ

سب سے بڑی جہالت ہوگی اور صرف جہالت ہی نہیں بلکہ ناشکری، نمک حرامی، اور بے وفائی ہوگی کیونکہ ایسا انسان اللہ تعالیٰ کے عطا کئے ہوئے دماغ سے اللہ تعالیٰ ہی کے خلاف سوچتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے دل میں اللہ تعالیٰ ہی کے خلاف خیالات وجذبات رکھتا ہے، اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے جو نعمتیں ملی ہیں اُن کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف استعمال کرتا ہے، اگر کوئی حکومت کا آفیسر حکومت کے دیئے ہوئے اختیارات کو خود حکومت ہی کے خلاف استعمال کرے گا تو اُسے ہم باغی کہتے ہیں۔ اِسی طرح کوئی نوکر اپنے آقا کا نمک کھا کر اُس سے بے وفائی کرے تو اُسے نمک حرام کہا جائے گا۔ اور کوئی شخص اپنے محسن سے منہ موڑے تو اُسے احسان فراموش کہا جائے گا۔

خوب یاد رکھیئے کہ کوئی انسان اللہ تعالیٰ کا انکار کرے تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا، اللہ تعالیٰ کی بادشاہت تو اتنی بڑی ہے کہ آج تک کوئی اُس کے ابتدائی اور آخری کنارے تک پہنچ نہیں سکا۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم پر چلتا ہے اور کائنات میں جو کچھ ہے سب اُسی کا ہے، اُس کے سوا کوئی دوسرا مالک ہی نہیں۔ اگر انسان اس کو نہ مانے تو اس کی عظمت اور بڑائی میں رتی برابر بھی کمی نہیں ہوتی اور اگر سب کے سب مان لیں تو اس کی عظمت اور بڑائی میں کچھ بھی اضافہ نہیں ہوتا۔ جو شہنشاہ ایسا بے نیاز ہے کہ سبکے سب اُسی کے ہی محتاج ہے تو پھر بھلا کافر انسان کی کیا حیثیت، اگر وہ خدا کو نہ مانے تو خدا کا کچھ بھی نہیں بگڑتا، اُلٹا انکار اور سرکشی سے انسان ہی کو نقصان ہوتا ہے۔

جو انسان سب سے پہلے قدم ہی پر اللہ تعالیٰ کو پہچاننے میں غلطی کرے تو وہ زندگی کے ہر قدم پر بھٹکتا ہی رہتا ہے اور غلط راستوں پر چلتا رہتا ہے، ایسا انسان زندگی کے ہر ہر قدم پر ٹھوکریں ہی ٹھوکریں کھاتا رہے گا۔ ایسے انسان کے اخلاق بھی خراب ہوں گے، اس کی تہذیب وتمدن بھی خراب ہوگی، اس کا معاشرہ بھی خراب ہوگا، یہاں تک کہ وہ اگر

حکومت کا ذمہ دار بنے تو اس کی حکومت اور سیاست، دوستی اور دشمنی سب کی سب غلط ہوگی وہ خود گمراہ ہوگا اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے گا۔ اور دُنیا میں فساد پھیلائے گا۔

کفر کے لفظی معنی اصطلاحِ شریعت میں جن چیزوں پر ایمان لانا فرض ہے اُن میں سے کسی چیز کے انکار کا نام کفر ہے جو شخص حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی تعلیمات میں سے کسی ایک چیز کو بھی حق نہ سمجھے اور اس کی تصدیق نہ کرے تو وہ کافر کہلائے گا۔

جس علم سے اللہ تعالیٰ کا تعارف ہی نہ ہو وہ جہالت ہے

موجودہ زمانے میں انسان کائنات کی چیزوں پر ریسرچ کرکے، چاند، سورج، زمین، ہوا، پانی کا علم تو خوب حاصل کر رہا ہے مگر وہ اپنی ریسرچ اور تحقیق کے ذریعہ چیزوں کے مالک تک نہیں پہنچ رہا ہے اور مالک کی خوبیوں اور کمالات کا پتہ چلانے کے بجائے چیزوں کی خوبیوں اور کمالات جان رہا ہے۔ چنانچہ اس علم سے اس کو چیزوں کی پہچان تو مل رہی ہے مگر وہ مالک ہی کو نہیں پہچانتا اس لئے اس کو حقیقی اہل علم نہیں کہتے کیونکہ یہ علم تو اس کے لئے صرف پیٹ پالنے، دنیا گذارنے اور دنیا کی چیزوں کو استعمال کرنے کی حد تک ہی رہے گا۔ دنیا اور آخرت میں کامیابی دلانے والا نہیں بنے گا۔ ہاں اگر انسان اس علم کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی پہچان (معرفت) بھی حاصل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت کو مانتا ہے اور اس کے علاوہ کسی دوسرے کو اس کا شریک نہیں مانتا اور اس کی اطاعت میں زندگی گذارتا ہے تو وہ حقیقی علم والا کہلائے گا اور وہ علم اس کے لئے علم نافع بنے گا، اور دنیا وآخرت کی کامیابی کا ذریعہ بھی بنے گا، اسی لئے کسی سائنس دان، انجینئر، یا ڈاکٹر کو حقیقی اہل علم نہیں کہتے۔

انسان اللہ تعالیٰ کو کونسے علم سے پہچانے؟

دنیا میں سب سے بڑا علم، علم الٰہی ہے اور اُسی علم الٰہی سے انسانوں اور جنوں کو معرفت الٰہی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کی ہدایت کیلئے جو علم وحی کی شکل میں اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد ﷺ پر آخری وحی قرآن مجید کی شکل میں نازل کیا ہے اُسی کے مطابق اللہ تعالیٰ کو پہچاننا ہوگا۔ اور جو کوئی وحی الٰہی کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت (پہچان) رکھتا ہے وہی عالم کہلائے گا۔ اور اگر کوئی حضور ﷺ کی لائی تعلیمات سے ہٹ کر پہچاننے کی کوشش کریگا تو وہ ایمان والا نہیں بن سکتا اور اس کا شمار گمراہ انسانوں میں ہوگا۔ چنانچہ دنیا کی اس امتحانی زندگی میں وحی الٰہی کے ذریعہ معرفت الٰہی کا علم سیکھنا اور سمجھنا تمام علوم میں سب سے پہلے ضروری اور اہم ہے اور فرض ہے جس علم سے اللہ تعالیٰ کا تعارف حاصل نہ ہو، وہ علم علم نافع نہیں، جیسا کہ خود قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (پارہ ۳۰)
پڑھو اپنے رب کے نام کے ساتھ جس نے (سارے عالم) کو پیدا کیا۔ اس آیت میں پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن ذرا سوچئے کیسی پڑھائی کا حکم ہے یا پھر اسکو اس طرح سمجھے کہ اس آیت میں ایسی پڑھائی کا حکم دیا جارہا ہے جس میں پہلے اللہ تعالیٰ کا نام آئے، اللہ تعالیٰ کا تعارف اور پہچان ملے، اگر انسان اللہ تعالیٰ کا تعارف حاصل کئے بغیر انسانوں، حیوانوں اور نباتات کا علم حاصل کرکے Cat معنی بلی، Rat معنی چوہا اور Fox معنی لومڑی پڑھتا رہے تو اس سے صرف مخلوقات کا تعارف ہوگا۔ خدا کا تعارف نہیں ہوگا۔ جبکہ انسان پر یہ ضروری ہے کہ وہ مخلوقات کے درمیان میں رہ کر مخلوقات کے ذریعہ مخلوقات کے بنانے اور پیدا کرنے اور پالنے والے کو پہچانے اور اس کی قدرت کو سمجھے اور اس کو مانے، وہی علم انسان کیلئے حقیقت میں فائدہ مند ہوگا۔ اور ایسے ہی علم والے کو حقیقت میں عالم کہا جائیگا

اسی لئے تاکید کی جارہی ہے اور حکم دیا جارہا ہے کہ تم دنیا کا کوئی بھی علم حاصل کرو مگر پہلے وہ علم حاصل کرو جو تمہارے مالک و پروردگار کا صحیح تعارف اور پہچان کرواتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کا طریقہ

انبیاء علیہم السلام لوگوں کو ان کی فطرت کے مطابق ہی تعلیم دیتے تھے۔ وہ لوگوں کو یہ دعوت نہیں دیتے تھے کہ سنیاس لے کر، رہبانیت اختیار کرکے، جنگلوں میں بیٹھ کر یا پہاڑوں پر بیٹھ کر تپسیا کرکے یا دنیا کے کام دھندوں سے دور رہ کر، گیان اور مراقبے میں بیٹھ کر اپنے مالک کو پہچانو۔ دنیا میں جب بھی وحی الٰہی کی ہدایت کے ذریعہ سچائی اور حقیقت کو سمجھایا گیا تو اس میں معرفت الٰہی اور عبادت الٰہی کے تعلق سے عجیب عجیب، عقل اور فطرت سے دور کی باتیں انسان کو نہیں بتلائی گئیں بلکہ وحی الٰہی نے ہمیشہ انسان کی فطرت اور اس کے فطری عقائد ہی کو پکارا اور انسانوں کو آفاق و انفس میں کھلے طور پر غور و فکر کرنے کی دعوت دی۔ اس لئے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت کرتا اور اس کے کمالات و خوبیوں کا واعظ ہے۔ اور سلیم الفطرت انسانوں نے وحی الٰہی کی دعوت پر بغیر کسی تعصب اور ہٹ دھرمی کے جب بھی کائنات اور اس کی چیزوں میں غور و فکر کیا تو وہ پکار اُٹھے کہ یہ کائنات بے کار نہیں بنائی گئی اس کا بنانے اور پیدا کرنے والا بہت ہی زبردست علیم و قدیر ہے اور بہت حکیم و مدبّر اور کمالات و خوبیوں والا خالق ہے۔ چنانچہ تمام پیغمبروں نے وحی الٰہی کی روشنی میں یہ تعلیم دی کہ کائنات میں اندھوں، بہروں اور گونگوں کی طرح مت چلو پھرو بلکہ عقل کو استعمال کرو اور غور و فکر کرکے اللہ تعالیٰ کو پہچانو اور مانو۔ اسلام نے انسانوں کو مخلوقات میں غور و فکر کرکے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور ماننے کی تعلیم تو دی، مگر اللہ تعالیٰ کی (ذات) میں غور و فکر کرنے سے منع فرمایا۔ اس لئے کہ ہم دنیا

کی اس زندگی میں اللہ تعالیٰ کو ذات کے اعتبار سے نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ اپنے حواس سے محسوس کر سکتے ہیں' دنیا میں صرف اس کی صفات یعنی کاموں ہی سے اس کو پہچان کر مان سکتے ہیں۔ ذات باری تعالیٰ میں غور وفکر کرنے سے اسلام اسلئے بھی منع کرتا ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی کوئی مثل اور مثال ہی نہیں ہے۔ انسانی عقل وفہم بھی اسکی ذات کا ادراک (پہچان) نہیں کرسکتی پھر اگر وہ نظر آتا اور دکھائی دیتا تو انسانوں اور جنوں کے امتحان کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اور نہ اس کا کوئی انکار کرتا اور نہ اسکی نافرمانی کی ہمت کرتا دنیا کی اس زندگی میں اصل شرط غیب میں بغیر دیکھے اس کو پیغمبر کی بات پر پہچاننا اور ماننا ہے۔

پیارے بچو! انسان اگر کائنات کی چیزوں اور اس کے نظام پر غور کرے' ضد' تعصب اور غفلت سے دور رہ کر عقل وہوش سے کام لے تو آسانی سے یہ سمجھ سکتا ہے کہ اس عظیم الشان کائنات کا ایک خالق و مالک ہے اور اُسی کی قدرت' حکمت' ربوبیت و رحمت اور تخلیق سے یہ تمام کائنات چل رہی ہے اور کائنات کی ہر ہر چیز اس کی نمائندگی اور اس کا تعارف کروار ہی ہے۔

بہت ساری چیزیں صرف نشانیوں اور علامتوں سے پہچان لی جاتی ہیں

اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور بہت سی جاندار مخلوقات کو یہ خوبی اور کمال عطا فرمایا ہے کہ وہ بہت سی چیزوں کو دیکھے بغیر صرف نشانیوں اور علامتوں اور کاموں سے پہچان لیتے ہیں اور پہچاننے میں کوئی غلطی نہیں کرتے' پس جس طرح دُنیا میں انسان بہت ساری مخلوقات کو دیکھے بغیر' اُن کی آواز' ان کی بُو اور ان کی حرکات اور ان کی بولی سے پہچان لیتا ہے' تو اُسی طرح مخلوقات کے خالق و مالک کو بھی دیکھے بغیر اس کے کاموں (صفات) سے کیوں نہیں پہچان لیتا؟ تعجب ہے کہ نشانیوں اور علامات سے تو مخلوقات کو دیکھے بغیر

پہچان رہا ہے اور مان رہا ہے مگر کائنات میں ہر جگہ ہر وقت اللہ تعالیٰ کی تخلیق' اللہ تعالیٰ کی ربوبیت' اللہ تعالیٰ کی رحمت' اللہ تعالیٰ کی حاکمیت' اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نشانیوں اور علامتوں کو دیکھنے کے باوجود اپنے ہی خالق و مالک کا انکار کر رہا ہے' **ذرا غور کرو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ مخلوق تو ہو خالق نہ ہو؟ پیدائش تو ہو مگر پیدا کرنے والا نہ ہو؟ پرورش تو ہو مگر پالنے والا نہ ہو موت تو ہو مگر موت دینے والا نہ ہو؟ رحمت تو ہو مگر رحم کرنے والا نہ ہو؟ عدل تو ہو مگر انصاب کرنے والا نہ ہو؟ حکومت تو ہو مگر حکومت کرنے والا نہ ہو؟ قدرت تو ہو مگر قادر نہ ہو؟۔**

ذرا غور کرو شیر کی آواز سنتے ہی ہرن' بکری' گائے اور دوسرے جانور اس کو دیکھے بغیر پہچان لیتے ہیں کہ شیر آرہا ہے فوراً اپنی جگہ سے بھاگنا شروع کر دیتے ہیں' کیونکہ شیر کی آواز شیر کے وجود کی علامت ہے۔

گھوڑا میلوں دور سے ہوا کے ذریعہ بوسونگھ کر شیر' ببر' کو دیکھے بغیر یہ اندازہ لگالیتا ہے کہ اس راستے میں شیر' ببر' ہے اس لئے وہاں سے آگے نہیں بڑھتا۔ چنانچہ پچھلے زمانے میں لوگ جنگلوں کا سفر گھوڑوں پر اسی لئے کرتے تھے کہ شیر کی بو سے شیر کی موجودگی کا علم گھوڑے کو ہو جاتا ہے' چنانچہ شیر کی بو شیر کے وجود کی علامت ہے۔

چیونٹی صرف بو کے ذریعہ غذا کو دیکھے بغیر اندازہ لگالیتی ہے کہ کس برتن کے کس ڈبے میں غذا موجود ہے' بوسونگھ کر اُسی برتن کی طرف چلتی ہے جس میں غذا ہوتی ہے' کیونکہ غذا کی بو غذا کے وجود کی علامت ہے۔ اسی طرح انسان بھی بہت ساری چیزوں اور نشانیوں سے ان کو پہچان لیتا ہے اور یقین کے ساتھ کہتا کہ یہ فلاں چیز ہے۔ مثلاً ریت یا مٹی پر قدموں کے نشانوں سے انسان پہچان لیتا ہے کہ یہ بکری' اونٹ یا شیر اور ہاتھی یا انسان کے پیر کے نشان ہیں۔ کسی بند گھر میں سے دھواں نکلتا ہوا دیکھ کر آگ کو دیکھے بغیر فوراً

پکار اُٹھتا ہے کہ آگ لگی ہے۔ کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ میں صرف دھویں کو دیکھ کر آگ کا یقین نہیں کرتا۔ اگر کوئی ایسا کہے تو وہ بیوقوف اور احمق ہوگا۔ اس لئے کہ آگ کے بغیر دھواں کا تصوّر ہی نہیں۔ دھواں دراصل آگ کی موجودگی کی علامت ہے۔

اسی طرح اگر کوئی اپنے مکان میں بیٹھا ہے اور باہر دھوپ نظر آرہی ہو تو وہ دھوپ اور روشنی کو دیکھ کر فوراً بولے گا کہ سورج نکل آیا اگر کوئی یہ کہے کہ میں دھوپ اور روشنی کی وجہ سے سورج کے نکلنے کو نہیں مانتا تو یہ بیوقوفی ہے۔ کیونکہ بغیر سورج کے دھوپ اور اس کی روشنی کا تصوّر ہی نہیں، دھوپ اور اس کی روشنی کا نکلنا سورج کے وجود کی علامت ہے ایک کم عقل بچہ بھی دھوپ کو دیکھنے کے بعد سورج کا انکار نہیں کرتا۔

بہت سی چیزیں انسان کبھی نہیں دیکھتا مگر ماننا ضرور ہے

پیارے بچو! ابھی جو مثالیں بیان کی گئی ہیں وہ تمام کی تمام چیزیں ایسی ہیں جنہیں انسان ہر روز دیکھتا ہے اسلئے فوراً پہچان لیتا ہے۔ مگر کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو انسان کبھی نہیں دیکھتا۔ انکو بھی صرف علامتوں اور نشانیوں سے پہچانتا اور مانتا ہے مثلاً ہوا نظر نہیں آتی مگر ہوا کو مانتا ہے، ہوا کو انسان زندگی بھر نہیں دیکھ پاتا، مگر دیکھے بغیر صرف اس کی علامتوں اور نشانیوں سے اسکے وجود کو مانتا ہے مثلاً کپڑوں اور درختوں کا ہلنا، گرد و غبار کا اڑنا، کھڑکی اور دروازوں کا خود بخود بند ہوجانا یا سرد اور گرم جھونکے بدن کو لگنا یہ سب نشانیاں اور علامات ہیں ہوا کے وجود کی کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ میں ان نشانیوں اور علامتوں سے ہوا کو نہیں مانتا۔ ہوا کو دیکھے بغیر ہوا کے وجود کو نہیں مانتا۔ اگر کوئی ایسا کہے اور ہوا کے وجود کا انکار کردے تو وہ احمق اور بیوقوف ہی ہوسکتا ہے، چھوٹے سے چھوٹا اور عقل کم رکھنے والا بچہ بھی ان علامات اور نشانیوں کو دیکھ کر پورے یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ ہوا

چل رہی ہے، ہوا کا جسم کو مس ہونا یا سانس لینا علامت ہے ہوا کے وجود کی، بغیر ہوا کے سانس لینے کا تصوّر ہی نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ سانس تو چلے مگر ہوا موجود نہ ہو۔

بخار نظر نہیں آتا مگر بخار کو مانتا ہے

بخار کسی کو دکھائی تو نہیں دیتا مگر جسم جب گرم ہوجاتا ہے آنکھوں میں سرخی آجاتی ہے اور سردی محسوس ہونے لگتی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ بخار آگیا ہے کیونکہ یہ چیزیں بخار کی علامتیں ہیں کوئی بھی عقلمند یہ نہیں کہتا کہ میں بخار کو دیکھے بغیر بخار کو نہیں مانتا۔ ایسا کہنے والا پاگل اور بیوقوف ہی ہوسکتا ہے، کیونکہ بخار کسی کو نظر نہیں آتا۔

اسی طرح روح نظر نہیں آتی مگر روح کو مانتا ہے

ہر انسان و جاندار کے جسم میں روح اور جان موجود ہے خود کافر انسان کے جسم میں بھی روح موجود ہے مگر روح کسی کو نظر نہیں آتی۔ یہاں تک کہ کسی کا دم نکل رہا ہو اور موت کا وقت قریب ہو، تب بھی روح کسی کو نظر نہیں آتی مگر اس کے باوجود ہر انسان کہتا ہے کہ رُوح موجود ہے، خود کافر بھی انکار نہیں کرتا اور یہ نہیں کہتا کہ بغیر رُوح کے میرا جسم خود بخود حرکت کررہا ہے۔ ہر شخص مانتا ہے کہ میرے جسم میں رُوح کی موجودگی کی وجہ سے حرکت اور سانس چل رہی ہے۔ اگر دل کی حرکت بند ہوجائے اور سانس کا چلنا ختم ہوجائے تو کہتے ہیں کہ روح نکل گئی گویا دل کی حرکت اور سانس کا چلنا روح کی موجودگی کی علامت ہے۔ روح کے بغیر سانس لینے کا تصوّر نہیں کیا جاتا۔ اگر کوئی کائنات میں خدا کے وجود کا انکار کررہا ہے تو اسے اپنے اندر روح کا بھی انکار کرنا چاہیے۔ اور یہ کہنا چاہیے کہ بغیر رُوح کے میرا جسم چل پھر رہا ہے جب معمولی جسم روح کے بغیر حرکت نہیں کرسکتا تو اتنی بڑی کائنات مالک کے بغیر کیسے چل سکتی ہے؟

عقل نظر نہیں آتی مگر عقل کو مانتا ہے

عقل کسی کو نظر نہیں آتی لیکن جب ہم کسی کو دیکھتے ہیں کہ وہ پورے ہوش وحواس کے ساتھ بات کررہا ہے' اخلاق وآداب کے ساتھ زندگی گزار رہا ہے تو ہم اس انسان کو عقلمند انسان کہتے ہیں اور اگر کوئی بکواس کرے' شوروغل مچائے' دیوانگی اور پاگل پن کی حرکتیں کرے' ننگا پھرے تو اُسے پاگل اور بیوقوف کہا جاتا ہے۔ ہوش مندی دراصل عقل کے وجود کی علامت ہے۔ اسی طرح ہر جاندار کے خون میں ہزاروں جراثیم ہوتے ہیں جو ایک مشین خوردبین سے ہی نظر آتے ہیں ہماری سادی آنکھ سے تو ہم کو نظر نہیں آتے پھر بھی ہم مانتے ہیں انکار نہیں کرتے۔

لطیفہ: ایک دہریے نے اپنے دوست سے کہا! میں تو ان ہی چیزوں کو مانونگا جو نظر آتی ہوں اسلئے میں خدا کے وجود کو بھی نہیں مانتا چونکہ وہ نظر نہیں آتا' تو دوست نے کہا یہ بتلاؤ کیا تمہارے پاس عقل ہے؟ دہریے نے جواب دیا! ہاں میں عقل رکھتا ہوں' تو دوست نے کہا میں نہیں مانتا کہ تم کو عقل ہے' اسلئے کہ وہ مجھے نظر نہیں آرہی ہے۔

نشانیوں اور علامتوں سے پوری پہچان ہوتی ہے

کسی جنگل یا ویران علاقے میں ایک جھونپڑے کے اندر کسی زخمی مریض انسان کو اکیلا پڑا ہوا دیکھا جائے اور اس کے اطراف دوا' غذائیں اور پانی کا انتظام بھی نظر آئے اور اس کا بستر' کپڑے' مرہم پٹی ٹھیک ٹھاک صاف ستھری حالت میں ہوں یعنی اس مریض کیلئے آرام وخدمت کے تمام سامان موجود ہوں تو اگرچہ کہ ہم نے اسکے تیماردار اورخدمت کرنے والے کو نہیں دیکھا ہو مگر آس پاس کے علامات اور آثار دیکھ کر یہ اندازہ

لگالیتے ہیں کہ کوئی اس بیمار کی دیکھ بھال اور تیمارداری کیلئے موجود ہے وہ اسکی دیکھ بھال کررہا ہے۔ اب اگر خدمت گذار کے نظر نہ آنے پر کوئی یہ کہہ کہ بیمار کی مرہم پٹی' دوا' اور بستر کی درستگی اور غذا اسکو خود بخود مل رہی ہے' بغیر کسی خدمت کرنے والے کے اس کی خدمت اور تیمارداری ہورہی ہے تو وہ شخص سبکی نگاہوں میں احمق اور بیوقوف کہلائیگا۔ بیمار کے قریب دوا' غذا' پانی' مرہم پٹی اور بستر کی درستگی علامت وہ آثار ہیں کہ کوئی اس مریض کا خدمت کرنے والا موجود ہے' جو اسکی دیکھ بھال کررہا ہے۔

پیارے بچو! ہم دنیا میں بہت سارے حالات وآثارونشانیاں رات دن دیکھتے ہی رہتے ہیں اُن آثارونشانیوں کو دیکھ کر ہمیں حقیقت کا پتہ معلوم کرلینا بہت آسان ہے۔ مثلاً دنیا میں ہم دن رات پیدائش کے نظام کو دیکھ رہے ہیں' موت کے نظام کو دیکھ رہے ہیں' پرورش ونگہداشت کے نظام کو دیکھ رہے ہیں' انسانوں میں کامیابی وناکامی کے نظام کو دیکھ رہے ہیں' کائنات کی تمام چیزوں میں اصول' ضابطہ' سلیقہ اور ڈسپلین دیکھ رہے ہیں' تو کیا ہمیں ان علامتوں' آثار اور نشانیوں سے یہ بات سمجھ میں نہیں آسکتی کے کوئی پیدا کرنے والا ہے تب ہی تو پیدائش کا نظام چل رہا ہے' کوئی موت کا دینے والا ہے تب ہی تو موت آرہی ہے' کوئی پرورش ونگہداشت کرنے والا ہے تب ہی پرورش ہورہی ہے' کوئی کامیابی دینے والا ہے تب ہی کامیابی ہورہی ہے' کوئی اصول ضابطہ بنایا ہے تب ہی ہر چیز میں اصول اور ضابطہ ہے کوئی سلیقہ اور ڈسپلن سکھانے والا ہے جسکی وجہ سے کائنات کی چیزوں میں سلیقہ اور ڈسپلین نظر آرہا ہے' ذرا سونچو! کیا بغیر پیدا کرنے والے کے پیدائش ہورہی ہے؟ کیا بغیر موت دینے والے کے موت آرہی ہے؟ کیا بغیر پرورش کرنے والے کے پرورش ہورہی ہے؟ کیا بغیر اصول و ضابطہ بنانے والے کے اور بغیر ڈسپلن سکھانے والے کے سب کچھ ہورہا ہے؟ اگر کوئی ایسا کہے تو وہ بیوقوف اور احمق ہے۔

دنیا میں کوئی بھی چیز بغیر بنائے نہ بنتی ہے اور نہ بغیر چلائے چلتی ہے

دنیا میں ہم رات دن جتنی چیزیں استعمال کرتے ہیں۔ چاہے وہ کرسی میز ہو، چاہے پن پنسل، اور کاپی ہو، چاہے جوتا چپل ہو یا پھر بڑی سے بڑی چیز ریل گاڑی، ہوائی جہاز، بس، موٹر، موٹر سیکل کچھ بھی ہو وہ تمام کی تمام چیزیں نہ خود بخود بنتی ہیں اور نہ خود بخود چلتی ہیں۔ ان کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہوتا ہے تب ہی وہ بنتی ہیں۔ تو ذرا غور کرو اتنی بڑی کائنات اور اس کی یہ تمام چیزیں خود بخود کیسے بن گئیں اور خود بخود کیسے چل رہی ہیں؟ یہ عقل وفہم میں آنے والی بات نہیں۔

سیر وتفریح کے باغات اور چمن اپنے آپ نہیں بن جاتے

اگر ہم اپنے شہر کے کسی خوبصورت باغ میں سیر وتفریح کیلئے جائیں اور دیکھیں کہ باغ شروع ہونے سے پہلے ایک صاف ستھری سڑک ہے، سڑک کی دونوں جانب برابر برابر فاصلوں سے گھنے سایہ دار درختوں کی قطار ہے، ہر دو درخت کے درمیان ایک چھوٹا سا کھمبا ہے جس پر بڑے بڑے دو گول سفید کوَر ہیں اور ہر ایک میں مختلف رنگ کے بلب ہیں تو کیا دیکھنے والا یہ کہے گا کہ یہ سڑک خود بخود بن گئی ہے۔ یہ درخت قطاروں میں برابر برابر فاصلوں سے خود بخود لگ گئے ہیں۔ یہ کھمبے اور اُن میں رنگین بلب خود بخود لگ گئے ہیں۔ ایسا کہنے والا بیوقوف اور احمق کہلائے گا۔ بلکہ ہر انسان کہے گا کہ یہ سڑک یہ درخت اور یہ روشنی تمام کی تمام چیزیں، خود بہ خود نہیں لگ گئیں بلکہ اُن کو باقاعدہ ایک خاص منصوبہ اور پروگرام کے تحت لگایا گیا ہے۔

اب مان لو کہ باغ میں داخل ہونے کے بعد ایک بڑا محل ہے محل کے سامنے بہت بڑا خوبصورت ایک چمن ہے، چمن میں پانی کا بہت خوبصورت حوض ہے، حوض میں پانی کے

فوارے ہیں جس میں سے مختلف قسم کی رنگین روشنی نکل رہی ہے، حوض میں مختلف قسم کی رنگین چھوٹی چھوٹی مچھلیاں ہیں، چمن میں ہر طرف پھولوں کی چھوٹی چھوٹی کیاریاں، بنی ہوئی ہیں، ہر کیاری میں الگ الگ قسم اور رنگ کے پودے اور پھول ہیں، تمام کیاریوں کے درمیان چمن میں راستے بنے ہوئے ہیں ان راستوں پر انتہائی نرم نرم قالینوں کی طرح ایک ہی سائز کی تراشی ہوئی ہریالی لگی ہوئی ہے۔ چمن کے اطراف ایک ہی قد کے درخت ہیں، تو کیا دیکھنے والا کہے گا کہ یہ چمن، اسکی بناوٹ اور سجاوٹ، اس میں مختلف رنگ کی مچھلیاں اور کیاریوں کے راستے خود بہ خود بن گئے ہیں۔ بلکہ تھوڑی سے عقل رکھنے والا بھی کہے گا کہ یہ چمن اور اسکی ساری سجاوٹ باقاعدہ ایک خاص منصوبہ اور پروگرام کے تحت بنائی گئی ہے یہ سب اپنے آپ نہیں بنے بلکہ بنانے سے بنے ہیں۔

انسانی گھروں کی مثال: ۔اسی طرح غور کرو ہم جس گھر میں رہتے ہیں وہ گھر اور اُس گھر میں لائٹ، نل، فرش اور دیواروں کو کلر، دروازے، کھڑکیاں خود بخود لگ جاتی ہیں یا کسی کے لگانے سے لگتی ہیں ایک چھوٹا بچہ جس کو ابھی عقل پوری نہ ہو وہ بھی کہے گا کہ یہ تمام چیزیں گھر میں اور یہ گھر خود بخود نہیں بنا بلکہ انجینئر مزدور کے مل کر بنانے سے بنا اور اس کی تمام چیزیں باقاعدہ لگانے سے لگی ہیں، خود بخود کسی گھر میں فرش نہیں بچھ جاتا، خود بخود لائٹ نہیں لگ جاتی اور خود بخود نل نہیں آجاتا۔

دنیا بھی تمام انسانوں کیلئے ایک گھر کی مانند ہے

بچو! بالکل اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انسانوں کیلئے ایک بہت بڑا گھر بنایا ہے جسکی چھت آسمان ہے اور اس کا فرش زمین ہے اس گھر میں نل کا انتظام بادلوں کے ذریعہ کیا اور روشنی اور نائٹ بلب کا انتظام سورج، چاند اور ستاروں سے کیا اور وقت اور تاریخ

معلوم کرنے کی گھڑی سورج اور چاند کو بنایا اور درختوں‘ پودوں کو اناج‘ غلہ اور میووں کیلئے گودام بنایا‘ ہوا کو پنکھے اور سانس کا کام عطا فرمایا۔ غرض یہ کہ ان تمام چیزوں سے اس گھر کو آراستہ کیا اور ضرورتیں پوری ہونے کے قابل بنایا تو کیا یہ تمام چیزیں خود بخود اس گھر میں لگ گئیں یا کسی خاص منصوبہ اور پروگرام کے تحت اللہ تعالیٰ کے بنانے سے بنی اور لگانے سے لگی ہیں۔ جب ایک اِنسان اپنے معمولی گھر میں نل‘ لائٹ‘ فرش کا خود بخود آ جانا اور لگ جانا تسلیم نہیں کرتا تو وہ کائنات کے اس گھر میں اس گھر کا اور گھر کی تمام چیزوں کا خود بخود بن جانا اور پیدا ہو جانا اور کام کرنا کیسے کہتا ہے؟ یہ تو بالکل احمقانہ بات ہوگی۔

غور کرنے کی ضرورت: جب دنیا کا ایک معمولی مکان بنائے بغیر نہیں بنتا تو پھر یہ آسمان‘ زمین‘ ہوا‘ پانی‘ سورج‘ چاند‘ ستارے‘ سیارے‘ درخت‘ پودے‘ پہاڑ‘ حیوانات انسان‘ جن‘ فرشتے وغیرہ کیا اپنے آپ بن گئے ہیں؟ یا انکا کوئی بنانے والا ہے؟ بیشک ان کا کوئی بنانے اور پیدا کرنے والا ہے تب ہی وہ بنے ہیں۔ اور وہ دن رات انسانوں کو پکار پکار کر اپنی خاموش زبان میں کہہ رہے ہیں‘ کہ ہم خود ہی سے نہیں بنے بلکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال ہے جو ایسے بنے ہیں اور اُسی کے حکم سے اور اُسی کے چلانے سے چل رہے ہیں۔ وہی ہمارا بنانے اور پرورش کرنے والا ہے۔ ذرا غور کرو ہمارے گھروں میں ٹی وی اور ٹیپ ریکارڈ یا کوئی دوسری مشین جو ہوتی ہیں کیا وہ خود سے اپنے آپ بنتے یا کمپنیوں اور کارخانوں میں تیار ہو کر آتی ہیں۔ بلاشبہ وہ باقاعدہ بنانے سے بنتی اور چلانے سے چلتی ہیں۔ کوئی نہ کوئی قوت اُن کے پیچھے کام کرتی رہتی ہے کچھ نہیں تو کچھ نہیں بجلی اور پیٹرول اُن کو چلاتے رہتے ہیں ذرا یہ بھی غور کرو بجلی اور پٹرول کو پیدا کرنے والا اور اُن میں چلانے کی قوت ڈالنے والا بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ موجودہ

زمانے میں بہت ساری چیزیں بغیر ڈرائیور کے ریموٹ کنٹرول سے چلتی ہیں مگر ریموٹ کنٹرول بھی کسی چلانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ تب ہی وہ چلتا ہے بس اِسی طرح کائنات کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے بن رہی ہیں اور چل رہی ہیں‘ وہی ان کو بنا رہا ہے اور پیدا کر رہا ہے اور پرورش کر رہا ہے۔

وجود باری تعالیٰ کو سمجھانے والی شاندار مثالیں حضرت امام ابوحنیفہ ؒ کے ساتھ ایک دہریہ کا مناظرہ

حضرت اِمام ابوحنیفہ ؒ کے زمانے میں ایک دہریہ جو خدا کی ذات کا انکار کرتا تھا‘ خلیفہ کے دربار میں آیا اور مسلمانوں کو چیلنج کیا کہ وہ اُسے خدا کے وجود کا قائل کرائیں۔ اس نے کہا کہ اس کائنات کا کوئی خدا نہیں ہے۔ یہ کائنات بغیر خدا کے خود بخود بنی ہے اور خود بخود چل رہی ہے۔ لوگ خود بخود پیدا ہو رہے ہیں اور خود بخود مر رہے ہیں۔ اگر مسلمانوں میں کوئی بڑا عالم ہے تو اُسے بلایا جائے‘ میں اُس سے بحث کرنے کیلئے تیار ہوں اور وہ مجھے خدا کے وجود کو قائل کرادے۔ چنانچہ رات کا وقت تھا‘ خلیفہ کا دربار اور شاہی محلات دریا کے ایک طرف تھے دوسری طرف عوام۔ امام ابوحنیفہ ؒ بھی شہر میں رہتے تھے دربار سے آدمی امام صاحب کو بلانے بھیجا گیا‘ قاصد نے امام صاحب کو پورا قصہ سنایا‘ اور آنے کی دعوت دی۔ امام صاحب نے اس کو یہ کہہ کر رخصت کیا کہ جاؤ میں ابھی آ رہا ہوں ادھر رات کا وقت‘ دربار ہال میں خلیفہ‘ درباری اور دہریہ سب کے سب انتظار کرنے لگے‘ مگر امام صاحب نہیں آئے۔ اور جیسے جیسے وقت گذر رہا تھا‘ دہریہ شیخی مار مار کر کہہ رہا تھا کہ معلوم ہوتا ہے آپ کے امام صاحب ڈر گئے ہیں کہ کوئی بڑا فلسفی آیا ہے۔ اور میں اس سے بحث نہیں کر سکوں گا۔ اسلئے وہ گھر پر ہی چھپ کر بیٹھ گئے ہیں۔ دہریہ

کہنے لگا کہ آپ لوگ یقین کر لیجئے وہ نہیں آئیں گے میرے مقابلے میں کوئی نہیں آ سکتا۔ پورا دربار حیران تھا دہریہ شیخی بگھار رہا تھا۔ کافی دیر کے بعد امام ابوحنیفہ تشریف لائے تو خلیفہ نے سب سے پہلے دیر سے آنے کی وجہ دریافت کی‘ تو امام صاحب نے کہا کہ میں نے اپنی زندگی میں آج تک اس طرح کا واقعہ نہیں دیکھا‘ جس پر میں حیران بھی ہوں اور اُسی وجہ سے دیر بھی ہوگئی ہے‘ سب لوگوں نے تعجب سے پوچھا وہ کیا واقعہ گذرا ہے۔ فرمایا بس عجیب وغریب واقعہ تھا۔ اور خود مجھے بھی ابھی تک سمجھ میں نہیں آیا کہ آخر ماجرا کیا تھا؟ امام صاحب کا انداز بیان ایسا تھا کہ سارے درباری حیرانی اور تعجب میں پڑ گئے حتیٰ کہ خود خلیفہ بھی واقعہ کو سننے کیلئے بےچین ہوگیا۔ امام صاحب نے فرمایا کہ جب میں شاہی محل آنے کیلئے دریا کے کنارے آیا تو اندھیری رات تھی‘ نہ کوئی ملاح تھا اور نہ کشتی تھی۔ دریا پار کرنے کا کوئی ذریعہ ہی نہ تھا۔ میں بس سوچ ہی میں کھڑا تھا کہ دریا کس طرح پار کروں؟ اسی سوچ میں کھڑا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں کہ دریا کے کنارے کا ایک درخت خود بخود کٹ کر گرا اور اس کے خود بخود سیدھے سیدھے تختے بن گئے اور وہ تختے بغیر کسی بڑھئی کے خود بخود جڑ گئے اور کیل بھی اپنے آپ ان کو ٹھکنے شروع ہوگئے‘ پھر یکا یک ان کی ساندوں میں موم بھی چڑھ گیا اور تمام سوراخ بند ہوگئے‘ پھر وہ کشتی بن گئی اور بغیر کسی ڈھکیلنے والے کے خود بخود دریا میں آئی اور میرے سامنے ٹھہر گئی‘ میں حیران ہو کر بیٹھ گیا‘ پھر کیا دیکھتا ہوں کہ بغیر کسی ملاح کے ناؤ اپنے آپ پانی کے مخالف بھاؤ میں چل کر دریا کے دوسرے کنارے پر آ کر رُک گئی‘ میں بس حیران ہی حیران تھا کہ آخر پانی کے بہاؤ کے خلاف یہ خود بخود کیسے چل رہی ہے؟ پھر میں دریا کے اُس پار اتر گیا اور وہ کشتی پھر چلی گئی۔ میں بس وہاں کھڑے کھڑے کشتی کے یہ عجیب وغریب ماجرے پر سوچتا ہی رہا اور میری عقل حیران ہی حیران ہے‘ اس لئے دیر ہوگئی ہے‘ میں امیر المومنین سے معافی چاہتا ہوں۔

دہریہ امام صاحب کی یہ تمام گفتگو سنتا رہا‘ پھر یکا یک پکار اُٹھا امام صاحب میں نے تو سنا تھا کہ آپ بہت بڑے عالم ہیں۔ بڑے عقلمند اور سمجھدار آدمی ہیں۔ مگر آپ بچوں کی سی باتیں کر رہے ہیں۔ بھلا یہ ممکن ہے کہ درخت خود بہ خود کٹ جائے اور اس کے سیدھے سیدھے تختے بن جائیں اور وہ خود ہی جڑ جائیں‘ خود ہی کیلیں ٹھک جائیں اور خود ہی موم لگ جائے‘ خود ہی پانی میں چلی جائے اور خود ہی آ کر آپ کے سامنے ٹھہر جائے اور خود ہی لے کر چلے اور پھر بغیر ملاح کے پانی کے بہاؤ کے خلاف چل کر دوسرے کنارے پر پہونچا دے یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟ میں سمجھا تھا کہ آپ بڑے عقل مند اور عالم آدمی ہیں‘ امام آپ کا لقب ہے مگر نادانوں اور بچوں جیسی باتیں کر رہے ہیں‘ یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی کشتی بنانے والا نہیں وہ خود بہ خود بن گئی اور کوئی کیلیں ٹھونکنے والا نہیں خود بہ خود کیلیں ٹھک گئیں‘ کوئی موم لگانے والا نہیں خود بہ خود ہی موم بھی بھر گیا‘ کوئی چلانے والا ملاح نہیں‘ خود بخود ہی چل پڑی‘ کیا یہ عقل میں آنے والی بات ہے؟ امام صاحب نے کہا‘ اچھا آپ کو میری یہ باتیں نادانی اور بیوقوفی کی لگ رہی ہیں‘ اس نے کہا جی ہاں‘ امام صاحب نے فرمایا! جب ایک کشتی بغیر بنانے والے کے بن نہیں سکتی‘ بغیر چلانے والے کے چل نہیں سکتی! تو اتنی بڑی کائنات جس کی چھت آسمان‘ جس کا فرش زمین ہے جس کی روشنی اور لائٹ سورج‘ چاند‘ ہیں جس کی فضا میں لاکھوں جاندار ہیں کیا یہ کائنات خود بہ خود بن گئی اور خود بہ خود چل رہی ہے‘ سورج‘ چاند‘ ستارے‘ خود بخود چل رہے ہیں‘ یہ کوئی عقل میں آنے والی بات ہے؟ ایک معمولی کشتی جسے انسان بنا سکتا ہے‘ وہ تو بغیر بنانے والے کے نہ بنے تو اتنی بڑی کائنات خود بخود کیسے بن سکتی ہے؟۔ تمہاری عقل‘ بچوں جیسی ہے یا میری عقل بچوں جیسی‘ میں نادان ہوں یا تم نادان ہو‘ مناظرہ ختم ہوگیا بحث مکمل ہوگئی۔ دہریہ اپنا چھوٹا منہ لیکر واپس ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ کا وجود اور اس کی پہچان دلائل کی محتاج نہیں‘ بلکہ دل کے اندر سے یہ فطری آواز نکلتی ہے کہ اس دنیا کا کوئی بنانے والا اور چلانے والا ہے‘ انسان کے قلب پر فطرت کا دباؤ ہے اگر انسان سوچے تو قدم قدم پر اللہ کا وجود ثابت ہوتا ہے اور کائنات کی تمام چیزیں چیخ چیخ کر اللہ تعالیٰ کے وجود کی گواہی دے رہی ہیں۔

شہتوت کے پتے سے اللہ تعالیٰ کا وجود سمجھا جا سکتا ہے

حضرت امام شافعیؒ سے پوچھا گیا! آپ نے اللہ تعالیٰ کو کیسے پہچانا؟ فرمایا میں نے شہتوت کے پتے پر غور وفکر کر کے پہچانا۔ جب یہ پتہ بکری کھاتی ہے تو مینگنیاں ہو جاتی ہیں اور جب ہرن کھاتا ہے تو مشک ہو جاتا ہے اور کیڑا (ابریشم کا) کھاتا ہے تو ریشم نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ میں نے سوچا ایک ہی پتہ ہے کہیں مینگنی بن رہی ہے‘ کہیں مشک بن رہا ہے اور کہیں ریشم بن رہا ہے۔ یہ پتے کا کام نہیں ہے‘ پتہ دس کام نہیں کر سکتا اس سے معلوم ہوا کہ پتے کے پیچھے کوئی طاقت ہے جو کبھی یہ بنا رہی ہے اور کبھی وہ بنا رہی ہے۔ میں نے اس حقیر پتے سے اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھا‘ اگر انسان سمجھ سے کام لے اور سمجھنا چاہے تو معمولی پتے سے بھی سمجھ سکتا ہے اور نہ سمجھنا چاہیے تو انبیاء علیھم السلام کی ہزاروں دلیلوں‘ مثالوں اور معجزات سے بھی نہیں سمجھتا۔ فرعون‘ ابوجہل‘ ابولہب‘ کو نہیں مانتا تھا مرتے دم تک بھی نہیں مانے۔ حضرت بلالؓ ‘حضرت علیؓ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو مانتا تھا فوراً مان لئے۔ انسان کی عجیب حالت ہے جب پہچاننے پر آتا ہے تو شہتوت کے پتے سے اپنے مالک کو پہچان لیتا ہے اور نہیں ماننے پر آتا ہے تو انبیاء علیھم السلام بھی نہیں منوا سکتے۔

انڈے پر غور وفکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا وجود سمجھ میں آتا ہے

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے ایک اَن پڑھ آدمی نے پوچھا! کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے

موجود ہونے کا یقین کیسے پیدا ہوا؟ امام صاحبؒ نے اسکے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ مجھے قرآن مجید کی فلاں فلاں آیت سے دلیل ملی۔ بلکہ اس ان پڑھ آدمی کو انڈے پر غور وفکر کروا کر جواب دیا (مفہوم) میں نے انڈے پر غور وفکر کیا‘ معلوم ہوا کہ انڈا چاروں طرف سے بند ہے اور اندر جانے کا کوئی راستہ اور سوراخ ہی نہیں اور پھر انڈے کے چھلکے کے فوری بعد ایک مضبوط سفید جھلی ہوتی ہے‘ اب انڈے میں ہوا‘ پانی‘ غذا‘ پہونچانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ اندر کی چیز باہر آ سکتی ہے اور نہ باہر کی چیز اندر جا سکتی ہے۔

مگر عجیب بات ہے اور حیرت کی بات ہے کہ انڈے میں چونچ کی جگہ چونچ‘ پیر کی جگہ پیر اور آنکھوں کی جگہ آنکھ‘ کانوں کی جگہ کان بنتے ہیں۔ جبکہ باہر سے نہ کوئی بنانے والا نظر آتا ہے اور نہ اندر کوئی انگلی یا ہاتھ ڈالتا ہے اور پھر ایسا بھی نہیں کہ بچے بننے میں غلطی ہو رہی ہے پیر کی جگہ سر اور دم کی جگہ منہ بن جائے ایسا کبھی نہیں ہوتا‘ بنانے والے کے نظر نہ آنے کے باوجود مکمل بچہ انڈے میں بنتا ہے‘ تو مجھے سمجھ میں آ گیا کوئی ذات ہے جو انڈے میں مکمل بچہ بنا رہی ہے‘ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر ذرا غور کرو اکیس دن تک بچہ انڈے میں زندہ رہتا ہے‘ اندر ہوا پانی اور غذا موجود نہیں اور نہ باہر سے جا سکتی ہے‘ مگر وہ زندہ رہتا ہے تو مجھے یقین ہو گیا کہ انڈے میں اسے کوئی ذات پال رہی ہے‘ وہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر اس بچہ کی چونچ پر ایک تیز نوک دار اُبھرا ہوا حصہ بھی ہوتا ہے جو بچے کو انڈا پھوڑ کر باہر آنے میں مدد دیتا ہے۔ ذرا غور کرو آخر اس کی چونچ پر انڈے سے باہر نکلنے کیلئے بند انڈے میں یہ تیز نوک کس نے بنائی اور وہ باہر آنے کے چند دنوں بعد چونچ میں مل کر غائب بھی ہو جاتی ہے۔ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ بند انڈے میں یہ تمام کیفیات اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نتیجہ ہیں‘ وہی انڈے کو بغیر پھوڑے یہ سب کچھ کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانے بغیر چارہ نہیں‘ پھر اکیس دن بعد

اچانک یہ انڈا ٹوٹتا ہے اور بچہ باہر آجاتا ہے' آخر اسکو کس نے تربیت دی کہ حفاظت کیلئے ماں کے پَروں میں چھپ کر بیٹھ جانا چاہیئے' پھر مرغی کا بچہ تو پیدا ہونے کے کچھ دیر بعد ہی چونچ اوپر اُٹھا کر پانی پیتا ہے حالانکہ وہ انڈے میں تھا اسکو یہ کس نے تعلیم دی کہ پیالہ میں اس کی پیاس بجھانے کا سامان موجود ہے اور پھر وہ انڈے سے باہر آتے ہی اپنی غذاء ڈھونڈنا شروع کردیتا ہے اور مٹی کے ذرات' کنکریوں میں سے چن چن کر اپنا دانہ اٹھاتا اور کھاتا ہے۔ اس کو یہ کس نے تعلیم دی کہ مٹی کے کنکر اس کی غذا نہیں بلکہ دانہ اس کی غذا ہے۔ جبکہ انسان کا بچہ مٹی بھی کھالیتا ہے۔ مرغی کے بچے غذا کے لئے آپس میں لڑتے بھی ہیں جسکو شکار مل جائے لے کر بھاگ جاتے ہیں۔ دوسرے اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے ہیں کیا یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے وجود کو ثابت نہیں کرتیں؟ بے شک ثابت کرتی ہیں۔ صرف اگر انسان ایک انڈے پر ہی غور کرلے تو خدا کا انکار نہیں کرسکتا تھا۔

اِسی طرح جانداروں کی پیدائش پر غور کرو! اگر کوئی انسان یہ کہے کہ دنیا میں جو پیدائش کا نظام چل رہا ہے وہ نر اور مادہ کی وجہ سے ہے' یعنی نر اور مادہ کے ملنے سے بچہ پیدا ہوتا ہے تو اُس انسان کو یہ سمجھایا جائے کہ' غور کرو! پیدائش کا یہ سلسلہ کہاں سے شروع ہوا اور سب سے اولین' نر اور مادہ کو کس نے پیدا کیا' کیا وہ خود بہ خود پیدا ہوگئے؟ نہیں بلکہ اولین نر اور مادہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے' اسی طرح بیماریوں کے تعلق سے انسان یہ کہتا ہے کہ فلاں فلاں بیماری متعدی ہے اسلئے پھیل گئی' عام طور پر خارش کو انسان متعدی مرض سمجھتا ہے چنانچہ اونٹوں میں بھی یہ مرض کے تعلق سے ایسا ہی سمجھا جاتا ہے مگر ذرا غور کرو! کہ پہلے اونٹ کو خارش کس نے دی۔ بیماریاں بھی اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے آتی اور جاتی ہیں۔

اسی طرح جانداروں میں جب حمل ٹھہر جاتا ہے تو رحم کا منہ بند ہوجاتا ہے' اور جانداروں میں کون ہے جو بند ماں کے پیٹ میں شکل وصورت اور اعضاء بناتا ہے اور کسی

جاندار کو ایک بچہ' کسی جاندار کو دو بچے' کسی جاندار کو تین بچے' اور کسی کو چار چار' پانچ پانچ' بچے ماں کے پیٹ میں پالتا ہے۔ کتا' بلی' اور سوّر کو چار چار اور پانچ پانچ بچے پیدا ہوتے ہیں' اور انسان جب سے فیملی پلاننگ شروع کیا ہے اس کو بھی ایک وقت میں بعض وقت تین تین چار چار بچے تولد ہوتے ہیں۔ مزید غور کرو! یہ بچے کسی جاندار کے پیٹ میں تین مہینے' کسی جاندار کے پیٹ میں چار مہینے' کسی جاندار کے پیٹ میں چھ مہینے' اور نو مہینوں تک پرورش پاکر زندہ رہتے اور پیدا ہوتے ہیں۔ اگر خود بہ خود پیدا ہونے کا طریقہ ہوتا تو سب کو ایک ہی بچہ پیدا ہونا چاہیئے تھا' اور سب ایک ہی مدت میں دنیا میں آنا چاہیئے تھا۔ بھینس' ہاتھی' گائے' اونٹ' کو صرف ایک ہی بچہ کیوں ہوتا ہے؟ آخر اُن کے پیدا ہونے کی مدت کا اختلاف اور اُن کی تعداد کا اختلاف کیا اللہ تعالیٰ کے وجود کو نہیں سمجھاتا؟

کائنات میں غور وفکر کر کے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کا طریقہ

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ o

ترجمہ : زمین میں اور تمہارے اپنے وجود میں (معرفت الٰہی کی) بہت سی نشانیاں ہیں یقین کرنے والوں کیلئے۔ کیا تم سوچتے نہیں۔ (الذّٰریٰت ۲۱۔ پارہ ۲۶)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کو اور اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھانے کیلئے جو دلائل دیئے گئے ہیں وہ فلسفیانہ نہیں ہیں' بلکہ انسانوں کو دنیا ہی کی چیزوں پر غور وفکر کروا کر اللہ تعالیٰ کو پہچاننے اور ماننے کی دعوت دی گئی ہے۔ انسانوں کیلئے حقیقت کو پہچاننے اور سچائی کو جاننے کا ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ کائنات کی چیزوں میں غور وفکر کرے اور اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل وبصیرت سے کام لے۔

پیارے بچو! اگر ہم غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ کائنات کی کوئی چیز بیکار پیدا نہیں کی گئی ہے' ہر چیز ایک خاص مقصد اور منصوبے کے تحت دنیا میں پیدا ہوتی ہے۔ انسان جتنا

زیادہ کائنات کی چیزوں پر غور وفکر کرتا جائے گا تو اسے یقین ہوتا جائے گا کہ کائنات میں ظاہر ہونے والے تمام حالات و واقعات محض اتفاق اور حادثہ کا نتیجہ نہیں ہیں اور نہ خود بخود یہ واقعات وجود میں آ رہے ہیں۔ بلکہ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ ہر چیز میں حکمت و مصلحت بھری ہوئی ہے اور وہ خاص منصوبہ اور مقصد کے تحت اصول و ضابطہ کے ساتھ پیدا کئے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کو ایک قانون کے تحت وجود میں لاتا اور پھر دنیا سے لیجاتا ہے اگر یہ کائنات خود بخود وجود میں آتی ہوتی تو اس کی ہر چیز میں اتنا نظم و ضبط اور ڈسپلن نہیں ہوتا بلکہ بے ضابطگی، بے اصولی اور بے ڈھنگا پن ہوتا۔ جب کائنات کی ہر چیز میں ڈھنگ اور سلیقہ ہے اور وہ اصول و ضابطے کے ساتھ پیدا ہو رہی ہیں تو ذرا غور کرو وہ خود بخود کیسے پیدا ہو جائیں گی۔ انکا پیدا کرنے والا ان کو اپنے اپنے خاص وقتوں میں خاص خاص ضرورتوں کے ساتھ دنیا میں بھیج رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے وجود کو منوانے کیلئے انسانوں کی فطرت کو آواز دی جائے

قرآن کا تمام تر خطاب انسان کے فطری وجدان اور ضمیر سے ہے، وہ کہتا ہے کہ خدا پرستی کا جذبہ انسانی فطرت میں ودیعت ہے۔ اگر وہ خدا کا انکار کر رہا ہے تو اس کو اس کی غفلت اور انکار سے جگانے کیلئے کائنات کی چیزوں کی مثالوں کو پیش کر کے زبردستی منوانے کے بجائے، عقل و شعور سے ماننے کے قابل بنایا جائے، اور اس کی عقل و ہوش کو اپیل کی جائے تاکہ وہ اپنی فطرت کی آواز پر اپنے مالک کو مانے۔

پانی میں تیرنے اور ہوا میں اڑنے والے جہازوں پر غور وفکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کا وجود سمجھ میں آتا ہے

مٹی، لوہے اور لکڑی کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی پانی میں ڈالا جائے یا ہوا میں پھینکا جائے تو وہ ڈوب جاتا ہے یا نیچے گر جاتا ہے، مگر لاکھوں ٹن وزنی جہاز ہر روز ہوا اور پانی میں

پرندوں کی طرح اڑتے اور پھولوں کی طرح تیرتے ہوئے انسانوں کو یہ احساس دلا رہے ہیں کہ کوئی ذات ہے جو ان کو ہوا اور پانی میں سنبھالے ہوئے ہے۔ اور وہ اُسی ذات کے بل بوتے پانی اور ہوا میں تیر رہے ہیں۔ جبکہ ہوا اور پانی پر کسی حکومت یا کسی فوج اور کسی انسان کا کچھ بھی کنٹرول اور قبضہ نہیں اور نہ کوئی ہوا اور پانی کو اپنے قابو میں رکھ سکتا ہے۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے کہ وہ ہزاروں ٹن وزنی جہازوں کو ہوا میں پرندوں کی طرح اڑا رہا ہے یا مچھلیوں کی طرح تیرا رہا ہے۔ جہازوں کا اڑنا اور تیرنا اللہ تعالیٰ کے وجود کو کھلے طور پر سمجھاتا ہے۔

پہاڑوں کی چٹانوں کا ایک دوسرے پر مختلف انداز سے جمے رہنا اللہ تعالیٰ کے وجود کو ظاہر کرتا ہے

ذرا غور کرو پہاڑوں پر! جب ہم پہاڑوں کے قریب سے گذرتے ہیں تو پہاڑ ہم کو اللہ تعالیٰ کی یاد دلاتے ہیں۔ ان کی بلندی اور اونچائی کو دیکھ کر ہم حسرت زدہ رہ جاتے ہیں کہ آخر زمین پر خاص طور سے اتنی اونچائی اور وزنی پہاڑوں کو بنانے والے نے کیسے بنایا؟ جس میں بڑی چھوٹی چٹانیں خاص خاص طریقوں سے رکھی ہوتی ہیں، بعض تو پہاڑی ڈھلانوں پر رکھی ہوتی ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ذرا سی حرکت پر زمین پر گر جائیں گی اور بعض بڑی بڑی چٹانیں چھوٹی چھوٹی چٹانوں پر رکھی ہوئی ہوتی ہیں اور بعض بڑی چٹانیں بالکل اُدھر کھڑی ہوئی حالت میں رکھی ہوتی ہیں۔ اور یہ تمام چٹانیں رات دن انسانوں کو پُکار پُکار کر اپنی خاموش زبان میں کہہ رہی ہیں کہ اے انسانو! تمہارے کیرین اور تم سب مل کر ہم کو پہاڑوں کی اتنی بلندیوں پر نہ لے جاسکتے تھے اور نہ چٹانوں پر جمع سکتے تھے۔ یہ تو صرف ہمارے اور تمہارے مالک کا کمال ہے کہ وہ ہم کو

اپنی قدرت سے خاص طور پر جمائے رکھا ہے تاکہ تم ہم کو دیکھ کر اس کو اور اس کی قدرت کو سمجھو، ہم خود بخود اپنی طرف سے ایسے نہیں رکھی گئیں اور نہ ہم خود بخود اوپر اونچائی پر آسکتی تھیں اور نہ ہم اپنا وزن اور توازن سنبھال سکتی ہیں، یہ تو بس اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص منصوبہ اور حکمت کے تحت ہم کو ایسا جما رکھا ہے تاکہ ہم کو دیکھ کر تم اپنے مالک کو پہچانو اور اس کی قدرت وطاقت کو مانو ہم کو دیکھ کر بھی خدا کا انکار مت کرو۔

آسمانوں کی خوبصورتی اللہ تعالیٰ کے وجود کی زبردست دلیل ہے

ذرا آسمانوں پر غور کرو! آسمان دن کے اوقات میں نیلگوں اور رات کے اوقات میں کالا نظر آتا ہے۔ دن میں سفید، لال اور کالے رنگ کے بادل آکر اسے مزید خوبصورت بنا دیتے ہیں اور رات کے وقت کالے آسمان کی مناسبت سے سفید، چمکدار ایک ہی سائز یعنی شکل وصورت اور جسامت کے تارے اس کی خوبصورتی کو اور دوبالا کر دیتے ہیں۔ اگر وہ اپنے آپ بنتا تو اس میں آنکھوں کو ٹھنڈک دینے والی خوبصورتی اور نیلا پن کہاں سے ہوتا۔ اور ذرا یہ بھی غور کرو کہ آسمان کی کالی چادر پر جو چیز سب سے زیادہ نمایاں ہو سکتی تھی وہ سفید چمکدار ستارے ہی ہو سکتے ہیں، کون ہے جو خاص طور پر کالی چادر کے ساتھ سفید چمکدار ستارے آسمان پر رات کے وقت ظاہر کرتا ہے۔ آخر تاروں کی شکل، صورت اور جسامت میں یکسانیت کس نے رکھی؟ چاند کے ساتھ چمکنے والے تمام تارے ایک ہی سائز، جسامت اور برابر برابر روشنی والے نظر آتے ہیں۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جو تارے چاند سے قریب ہوں وہ زیادہ روشن نظر آتے اور جو دور ہو وہ کم چمکدار نظر آتے۔ مگر ایسا نہیں ہے چاہے چاند سے دور ہوں یا قریب سب ایک ہی طرح چمکتے نظر آتے ہیں اور پورے آسمان کی کالی چادر پر ہر طرف تاروں کی چمک برابر برابر ہوتی ہے مثلاً جیسے 40 بلب کے ساتھ Zero کے ہزاروں بلب ہوں

اور ہر ایک کی روشنی ایک جیسی یعنی یکساں۔ کیوں اُن کی روشنی میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی؟ اگر تارے خود بخود بنتے تو وہ ایک ہی شکل وصورت سائز کے کیوں ہوتے؟ کوئی بڑا، کوئی چھوٹا ہوتا اور کسی میں کم اور کسی میں روشنی زیادہ ہوتی۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ یہ کسی کی خاص منصوبہ بندی اور پلان ہے، جس نے تمام تاروں کو آسمان پر ایک ہی سائز کے اور ایک ہی روشنی والے بنایا ہے۔ اگر چاند کے ساتھ تارے چھوٹے بڑے ہوتے اور اُن میں روشنی کم اور زیادہ ہوتی تو آسمان کی خوبصورتی بگڑ جاتی اور بے ڈھنگا پن نظر آتا اور چاند کی شان بھی باقی نہ رہتی۔ یہ تو بنانے والے نے آسمان کی خوبصورتی کو دوبالا کرنے کیلئے تمام تاروں کو ایک ہی سائز اور ایک ہی روشنی والا بنا کر چاند کو رونق عطا فرمایا ہے اور آسمان کو پرنور بنا کر ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک عطا فرمائی۔ دنیا کے کسی کونے سے دیکھئے تارے ہر جگہ یکساں اور ایک ہی سائز کے نظر آتے ہیں، بڑے چھوٹے نظر نہیں آتے۔ بنانے والا نہ صرف خالق ہی ہے بلکہ وہ زبردست مصوّر بھی ہے جس نے آسمان کو یہ شکل وصورت دے کر خوبصورت بنا دیا، اگر وہ چاہتا تو خالق ہونے کے ناطے صرف آسمان بنا دیتا اور رات کے وقت کالا اور دن کے وقت صرف سفید یا کوئی ایک رنگ کا وہ رکھ سکتا تھا اور اس پر چمکدار سفید ستارے روشن نہ کرتا اور تاروں کو بڑے چھوٹے بنا کر رکھ سکتا تھا تب بھی دنیا چلتی مگر اس نے انسان کے ذوق وشوق کے مطابق خوبصورتی، سکون، اور ٹھنڈک بھی رکھی تاکہ انسان زندگی گذارنے میں تکلیف اور دقت محسوس نہ کرے۔ ذرا یہ بھی غور کرو آسمان پر صبح، دوپہر اور شام کے نظارے الگ الگ اپنے آپ بن جاتے ہیں؟ یا خاص طور پر کسی حکیم کی حکمت اور منصوبہ بندی سے مختلف موسم بنتے ہیں؟ اگر آسمان پر صبح کا موسم، دوپہر کا موسم اور شام کا موسم ایک جیسا ہوتا تو انسان زندگی گذارنے میں بہت دقت اور تکلیف محسوس کرتا یہ تو حکیم کی حکمت اور رحمٰن کی رحمت کا کمال ہے کہ اس نے صبح کے موسم کو خوشگوار ٹھنڈا اور تازہ رکھا دوپہر کو

پورا روشن کر دیا۔ اور شام کو الگ کر دیا۔ آسمان، چاند، اور ستارے رات دن انسانوں کو اس بات کی گواہی دے رہے ہیں کہ وہ اپنے آپ ایسے نہیں بنے بلکہ ان کے مالک کے بنانے سے ایسے بنے ہیں۔ ایک انسان کو آسمان کی یہ تمام کیفیات دیکھ کر مالک کائنات کے خالق، رب، مصور، رحمٰن، حکیم اور حاکم ہونے کی کھلی دلیلیں ملتی ہیں۔

سورج، چاند کی روشنی اور حرارت اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتی ہے

چاند اور سورج بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو بڑی نشانیاں ہیں۔ ذرا ان کی کیفیات پر غور کرو۔ سورج کی روشنی اور چاند کی روشنی ایک جیسی کیوں نہیں؟ آخر سورج کی روشنی میں تیزی، گرمی اور چاند کی روشنی میں نرمی اور ٹھنڈک کیا اپنے آپ ہے یا کسی نے خاص حکمت اور منصوبہ کے تحت ان کی تخلیق کی ہے؟ پھر سورج کی روشنی دن بھر ایک جیسی نہیں رہتی باوجود سورج صبح صبح پورا پورا نظر آنے اور نکلنے کے، روشنی کم اور ٹھنڈی ہوتی ہے پھر دوپہر کو الگ اور شام کو مدھم ہونا شروع ہوجاتی ہے اور جبکہ ہم اپنے گھروں میں لائٹ کھولتے اور بند کرتے ہیں تو کمرہ ایک دم روشن یا اندھیرا ہوجاتا ہے۔ آخر سورج کو آہستہ آہستہ چمکنے اور روشن ہونے کی اور پھر آہستہ آہستہ غروب اور مدھم ہونے کی ہدایت کس نے دے رکھی ہے؟ اگر ان کا بنانے والا مدبر، حکیم اور رحمٰن نہ ہوتا یا وہ اپنے آپ وجود میں آتے تو ایک دم روشن اور ایک دم بے نور ہوجاتے اور دنیا میں تمام کاروبار میں فساد ہی فساد ہوجاتا مثلاً اگر ایک دم سورج کی روشنی غائب ہوکر اندھیرا ہوجاتا تو پتہ نہیں ہر روز سڑکوں پر کتنے حادثات ہوجاتے کتنے کارخانوں کی مشینوں میں بننے والا مال اچانک اندھیرے کی وجہ سے خراب ہوجاتا۔ آخر سورج کو آہستہ آہستہ حکمت کے ساتھ چمکنے اور روشن ہونے کی ہدایت کس نے دے رکھی ہے۔؟ پھر اگر چاند کی روشنی سورج کی طرح تیز اور گرم ہوتی تو مخلوقات آرام نہیں لے سکتی تھیں اور اُن کی تھکن دور نہیں ہوتی۔

آرام اور نیند لینے کے لئے جس طرح انسان کی طبعیت کو کم روشنی اور نائٹ بلب چاہیے دنیا کے بنانے والے نے اپنی مخلوقات کا پورا لحاظ رکھ کر ان کیلئے آسمان پر نائٹ بلب کی طرح چاند کو رکھا۔ چاند کا وجود کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتا ہے جس نے خاص حکمت اور رحمت کے تحت چاند کو اور اس کی روشنی کو پرسکون، ہلکی اور ٹھنڈی رکھا۔ گویا چاند اپنے آپ ایسا نہیں بنا بلکہ رات کے آرام کیلئے خاص طور پر ایسا بنایا گیا۔ چاند اور سورج پر جب گہن لگتا ہے تو وہ پکار پکار کر اپنی خاموش زبان میں انسانوں سے کہتے ہیں کہ ہم اپنی طرف سے روشنی نہیں دے سکتے۔ جب ہمارا مالک چاہتا ہے ہم روشنی رکھتے ہوئے بھی بے نور ہوجاتے ہیں۔ اگر سورج خود بخود وجود میں آتا تو اس کی گرمی اور روشنی سال کے بارہ مہینے یکساں ہوتی۔ کون ہے جو سردی کے موسم میں اسکی روشنی اور گرمی کو کم کر دیتا ہے اور گرما کے موسم، وہ بھی آخری گرما میں بہت تیز اور گرم کر دیتا ہے۔

سورج چاند اور دوسرے ستارے اور سیارے زمین سے اتنے ہی فاصلے پر ہیں، جتنا انکو ہونا چاہیے تھا۔ اگر انکے فاصلوں کو بڑھا دیا جائے یا کم کر دیا جائے تو پھر جانداروں کی زندگی زمین پر مشکل ہوجاتی اور ہر طرف برف ہی برف ہوتی یا اتنی زیادہ گرمی ہوتی کہ سبزہ جل کر راک ہوجاتا۔ آخر وہ کون ہے جس نے اپنی تخلیق کے ساتھ ساتھ حکمت اور تدبّر کے ذریعہ اپنی رحمت، قدرت اور حاکمیت کا اظہار کرتے ہوئے سورج اور چاند کو اتنے ہی فاصلے پر رکھا جس سے زمین پر زندگی آسان ہوگئی، اگر زمین کی گردش کو 1000 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے گھٹا کر 100 میل فی گھنٹہ کر دیا جائیتو ۱۲ر گھنٹے کا دن اور ۱۲ر گھنٹے کی رات بننے کے بجائے ۱۲۰ر گھنٹوں کا دن اور ۱۲۰ر گھنٹوں کی رات ہوجاتی۔ یا پھر زمین کی گردش کو مزید بڑھا دیا جائے تو وہ دن رات بالکل چھوٹے چھوٹے ہوجاتے۔ دن کے طویل ہوجانے سے زمین کا سبزہ اور جاندار سورج کی گرمی کو برداشت نہ کر پاتے

اور رات طویل ہو جانے سے سردی کی زیادتی ہو کر صحیح نشونما نہ ہونے پاتی۔ اسی طرح چاند کو اس کے فاصلے سے دور کر دیا جائے تو دن میں دو مرتبہ سمندر میں مد جزر آ کر پوری زمین کو پانی میں غرق کر دیتا تھا۔ زمین کے اطراف جو ہوا کا کرہ ہے اس کی پرت اگر تھوڑی سی بھی پتلی ہوتی تو شہابِ ثاقب برارہ راست زمین سے ٹکراتے اور زمین کے ہر حصہ میں آگ ہی آگ نظر آتی اور اگر ہوا کی پرت کو موٹا کر دیا جاتا تو جانداروں کو سانس لینے میں مشکل ہو جاتی۔ ذرا غور کرو کائنات کے تمام کاموں میں صرف تخلیق ہی نظر نہیں آتی بلکہ ربوبیت، رحمت اور حاکمیت اور مالکیت اور تدبّر و حکمت ہی حکمت نظر آتی ہے **جب تخلیق ہے تو تخلیق کرنے والا ہونا ضروری ہے، ربوبیت ہے تو پالنے اور پرورش کرنے والا ہونا ضروری ہے، جب رحمت ہے تو رحم کرنے والا ہونا ضروری ہے، جب حاکمیت ہے تو حکومت کرنے والا ہونا ضروری ہے جب حکمت ہے تو حکیم کا ہونا ضروری ہے، جب قدرت ہے تو قادر کا ہونا ضروری ہے، جب ملکیت ہے تو مالک کا ہونا ضروری ہے، جب خوبصورت شکل وصورت ہے تو مصور کا ہونا ضروری ہے، جب نظم وڈسپلن ہے تو ناظم کا ہونا ضروری ہے۔**

بادلوں کا آنا نہ آنا اور اُن کا برسنا اور نہیں برسنا اللہ تعالیٰ کے وجود کو کھلے طور پر سمجھاتا ہے

ذرا غور کرو آسمان پر سفید، لال، اور کالے بادل آتے ہیں جس سے آسمان کی خوبصورتی میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔ اگر بادل اپنے آپ بنتے تو لال، کالے اور سفید نہ ہوتے جبکہ پانی کا کوئی رنگ نہیں ہوتا۔ اُسی پانی سے جب برف بنتی ہے تو اس کا بھی کوئی رنگ نہیں ہوتا اور جب اولے برستے ہیں تو وہ کالے اور لال نہیں ہوتے، بے رنگ ہی ہوتے ہیں پھر بادلوں میں رنگ کون بھر رہا ہے، بادلوں کو بھی برف کی طرح بے رنگ

ہونا چاہیے تھا، آخر بادلوں کو سفید، کالا اور لال کون بنا رہا ہے؟ کیا یہ اپنے آپ ایسے بن رہے ہیں؟ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کی خوبصورتی کو ان کے ذریعہ بڑھا رہا ہے۔ اور بادلوں میں رنگ بھر کر انسانوں کو یہ تعلیم دے رہا ہے کہ کائنات کا بنانے والا صرف خالق ہی نہیں، بلکہ مصوّر بھی ہے، اس نے آسمانوں پر اپنی صفت مصوری کے ذریعہ بادلوں کی شکل وصورت کو علحدہ کر دیا اور اپنی رحمت کے ذریعہ انسانوں کی آنکھوں کو ٹھنڈک، سکون، خوبصورتی اور حسن عطا فرمایا۔ اگر بادل خود بخود بنتے تو پانی کی طرح بے رنگ ہی ہوتے اور اگر برف کو رنگین بنایا جاتا تو انسان کو اس کا استعمال مشکل ہو جاتا۔ برف کی سفیدی اس کی پاکیزگی کی علامت کو ظاہر کرتی اور اس کو آسانی سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ یہ سب حکمت ہی حکمت ہے اور یہ بغیر حکیم کے نہیں ہو سکتا۔ سال کے بارہ مہینوں میں جس ملک اور جس علاقے میں برسات کا موسم شروع ہوتا ہے۔ گھنے بادل کے بادل آتے جاتے ہیں۔ ذرا غور کرو کہ آخر بادلوں کو یہ خبر کیسے ہو جاتی ہے کہ زمین کے فلاں فلاں حصوں میں برسات کا موسم شروع ہو گیا ہے اگر وہ اپنے آپ آتے تو سال بھر یا کسی بھی موسم میں آتے جاتے رہنا چاہیے تھا۔ خاص طور پر برسات کے موسم میں نظر آتے، پھر جیسے ہی برسات کا موسم ختم ہوا آسمان سے غائب ہو جاتے ہیں، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے آتے اور جاتے ہیں۔ پھر برسات میں بھی اکثر یہ دیکھا گیا کہ گھنے بادل آتے ہیں مگر برستے نہیں اور انسانوں کے سروں پر چھائے ہوئے رہتے ہیں، پھر بغیر برسے چلتے جاتے ہیں۔ گویا وہ انسانوں کو پکار پکار کر کہتے ہیں کہ ہم پر ہمارے مالک کی حکومت ہے، وہ جب حکم دیتا ہے ہم برستے ہیں اپنی مرضی سے نہیں برس سکتے۔ ان تمام چیزوں کو دیکھنے اور غور کرنے کے باوجود کیا انسان اللہ تعالیٰ کا انکار کرے گا؟ اسکو خدا کے وجود کو سمجھنے کیلئے کیا بادلوں کی دلیل کافی نہیں؟ عقلمند اور سمجھدار انسانوں کیلئے ایک دو دلیل ہی کافی ہوتی ہیں۔ بعض وقت برسات کا موسم شروع ہو جانے کے باوجود نہ بادل

آتے ہیں اور نہ بارش ہی ہوتی ہے اور کھلے طور پر یہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ کسی نے بارش روک دی ہے۔مصنوعی بارش بھی بغیر بادلوں کے نہیں برسائی جاسکتی۔

پانی جب برستا ہے تو پکار پکار کر اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتا ہے

انسان اگر پانی کے برسنے پر غور کرلے تو فوراً اپنے مالک کو پہچان لے گا اور مان لے گا۔آسمانوں پر بادل دھویں کی مانند اڑتے ہوئے نظر آتے ہیں مگر جب برستے ہیں تو دھاروں کی شکل میں یا مساوی مساوی قطروں کی شکل میں برستے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے پانی کسی چھلنی اور مشین کے ذریعہ سے برسایا جارہا ہے۔ذرا غور کرو بارش اگر کئی علاقوں میں ہورہی ہو تو پانی کی دھاریں ایک ہی موٹائی اور ایک ہی رفتار اور ایک ہی قوت کے ساتھ برستی ہیں۔اور تمام دھاریں ایک جیسی برابر برابر ہوتی ہیں۔جیسے کوئی ان کو خاص ناپ تول کر برسا رہا ہے' ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی دھار موٹی اور کوئی دھار باریک اور کوئی دھار سست اور کوئی دھار تیز رفتار ہو۔آخر پانی کے برسنے میں۔اتنا ڈسپلن اصول اور قاعدہ کیا اپنے آپ ہے یا کسی نے اس طرح کا نظام بنایا؟ اتنا ڈسپلن تو کسی اِنسانی فوج کی پریڈ میں بھی نہیں ہوتا کوئی فوجی موٹا' کوئی لمبا' کوئی گِڈا کوئی دُبلا ہوتا ہے۔ذرا غور کرو آسمان پر نہ کوئی چھلنی ہے اور نہ مشین ہے صرف اور صرف پانی کے بنانے اور برسانے والے کی قدرت کا کمال ہے' جو حکیم و مدبّر ہونے کی وجہ سے پانی کو یہ ہدایت دے رکھا ہے کہ وہ اس طرح برسے اگر پانی کا بنانے والا صرف خالق ہی ہوتا اور ربوبیت کے تقاضے کے تحت پانی کو برسا دیتا اور وہ حکیم تدبر' اور رحمٰن نہ ہوتا تو پانی آسمانوں پر سے ندی نالوں' نہروں آبشاروں اور دھاروں کی شکل میں گرتا جس کی وجہ سے زمین پر انسان' جانور' کھیت' باغات' درخت' پودے' مکانات' دوکانات' سب کے سب تباہ و برباد ہوجاتے' دنیا کے بنانے

والے کو یہ بات معلوم ہے کہ زمین پر مختلف چھوٹی بڑی مخلوقات رہتی ہے' اور پانی اگر آبشاروں اور دھاروں کی شکل میں گرایا جائے تو مخلوقات کو نقصان ہوگا چونکہ وہ خالق اور رب ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم اور رحیم بھی ہے اس لئے پانی کے برسنے کا ایسا نظم بنایا۔

کائنات کی چیزوں میں اختلافات' علامتیں اور نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ کے وجود کی

زمین کی ساخت پر غور کرو! زمین کہیں پر ریتیلی ہے اور کہیں پتھریلی بنجر ہے اور کہیں ٹیالی ہے کہیں لال مٹی والی ہے اور کہیں کالی مٹی والی ہے۔اگر وہ خود بخود بنتی تو ہر جگہ یکساں اور ایک جیسی ہوتی اس میں اتار' چڑھاؤ ٹیلے اور گھاٹیاں نہ ہوتیں۔زمین کی یہ حالت بار بار انسانوں کو پکار پکار کر یہ کہہ رہی ہے کہ وہ خود سے ایسی نہیں بنی بلکہ اس کے مالک نے جو خالق کے ساتھ ساتھ حکیم و مدبّر بھی ہے اس کو ایسا بنایا ہے۔زمین کو کوئی ہلا نہیں سکتا ایک براعظم ایشیا کو لے لو' اس کی پوری زمین ایک ہی ہے۔مثلاً ہندوستان' پاکستان' افغانستان' بنگلہ دیش ان ممالک کی زمین ایک ہی ہے۔اگر زمین کو ہلایا جائے تو ان چاروں ممالک میں زلزلہ آنا چاہیے۔مگر ایسا نہیں ہوتا جب زلزلہ آتا ہے تو ملک کے کسی ایک شہر یا دو چار گاؤں کی زمین ہل جاتی ہے اور وہیں پر زلزلہ کا جھٹکہ آتا ہے۔آخر زمین ایک ہونے کے باوجود صرف بیچ کی یا کسی ایک جگہ کے حصے کو کیسے ہلایا جاسکتا ہے؟ اگر انسان زلزلے پر غور کرے تو اللہ تعالیٰ کو مانے بغیر رہ نہیں سکتا' اس لئے کہ درمیانی حصے یا کسی ایک شہر کی زمین کو ہلا دینا اور دوسرے شہر کی زمین کو نہ ہلانا یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت و حاکمیت کی کھلی دلیل ہے اور زمین اپنے مالک کے حکم سے وہیں پر ہل رہی ہے جہاں پر اس کا مالک اس کو ہلنے کا حکم دے رہا ہے جبکہ پوری زمین' ایک حصہ ہونے کے باوجود صرف بیچ کا یا تھوڑا سا حصہ ہلانا سوائے اللہ تعالیٰ کے

کسی کے بس کی بات نہیں۔ زمین دن رات انسانوں کو گواہی دے رہی ہے کہ میں اپنے مالک کے اشاروں پر حرکت کرتی ہوں اور اپنی ڈیوٹی انجام دیتی ہوں۔

ہوا کی رفتار میں تیزی پیدا ہونا دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کی

ہوا ہمیشہ آہستہ آہستہ ہی چلتی رہتی ہے البتہ اونچے اور کھلے مقامات پر ہوا تیز چلتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ مگر ہوا میں بعض اوقات آندھی اور طوفان کیا اپنے آپ آتے ہیں یا ہوا کا مالک ہوا کو تیز چلنے کا کا حکم دیتا ہے۔ ہوا اپنے مالک کے اشاروں اور حکم کے بغیر تیز نہیں چلتی اور نہ آندھی وطوفان لاتی ہے۔ ہوا میں تیز رفتاری کو دیکھ کر انسان خدا کا انکار نہیں کرسکتا۔ دُنیا کی کوئی مشین ہوا کو تیز نہیں چلا سکتی، ہوا تیز چلتی ہے مگر چلانے والا نظر نہیں آتا

اسی طرح یہ بھی غور کرو دنیا کے بنانے والے نے کائنات کی چیزوں کو مختلف رنگ عطا فرمایا۔ مگر خاص طور پر ہوا کو بے رنگ پیدا کیا گیا۔ اگر وہ رنگ دار ہوتی تو مخلوقات کے لئے بہت مشکلات پیدا ہو جاتیں۔ ہوا کے بے رنگ ہونے میں یہ حکمت اور مصلحت بھی نظر آتی ہے کہ مخلوقات کو ہوا میں رہتے ہوئے چلنا پھرنا، لکھنا پڑھنا، اور دیکھنا بہت آسان ہو گیا اور وہ میلوں دیکھ سکتے ہیں، ہوا کو رنگ دار بنایا جاتا تو کھانے پینے کی چیزوں میں صفائی اور کچرا نظر نہ آتا اور مخلوقات کو بہت مشکل ہو جاتی۔

غلہ، پھلوں اور ترکاریوں کا اپنے اپنے موسموں میں آنا کھلی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کی

ذرا غور کرو! دنیا میں تمام پھلوں، ترکاریوں اور غلے اور اناج کے خاص خاص موسم ہیں وہ اُن ہی موسموں میں دنیا میں آتے ہیں اگر خود بخود آنے والے ہوتے تو سال بھر دنیا میں پیدا ہوتے ہی رہنا چاہیے تھا۔ مگر ایسا نہیں ہوتا ایک پھل کا موسم ختم ہوتا ہے تو دوسرا پھل

آنا شروع ہوتا ہے۔ اور بہت سارے پھل تو موسم کی مناسبت سے آتے ہیں جیسے گرما میں ٹھنڈی صلاحیت رکھنے والے پھل اگر یہ خود بخود پیدا ہونے والے ہوتے تو سال بھر یا سال کے کسی بھی موسم میں آنا چاہیے تھا۔ خاص طور پر گرما میں کیوں آتے ہیں؟ اس سے معلوم ہوا کہ پھل غلہ اور ترکاریاں خود بخود اپنی طرف سے دنیا میں نہیں آرہے ہیں بلکہ کائنات کا بنانے اور چلانے والا اپنی حکمت اور ربوبیت کے ذریعہ ان کو موسم کی مناسبت اور مخلوقات کی طبعیت اور مزاج کا خیال رکھ کر بھیج رہا ہے۔ دنیا میں ترکاریوں اور غلوں کے بھی الگ الگ موسم ہیں، چاول، گیہوں، ایک خاص موسم میں، جوار، ایک خاص موسم میں اور مکئی ایک خاص موسم میں گوبھی، سیم کی پھلی، املی اپنے اپنے موسموں میں دنیا میں آتے ہیں اور اُن ہی موسموں میں درختوں پر لگتے ہیں۔ پھلوں ترکاریوں اور غلوں کا اپنے اپنے خاص موسموں میں آنا، اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے کہ اس کائنات کا بنانے والا اپنے خاص منصوبہ اور حکمت کے تحت وہ وہ چیزیں اپنی مخلوقات کے لئے بھیج رہا ہے۔

نباتات کی مختلف خصوصیات کا ہونا اور اُن سے الگ الگ چیزیں نکلنا اللہ تعالیٰ کے وجود کی علامت ہے

دنیا میں کوئی درخت اور پودا نہ خود بخود بنتا اور نہ پیدا ہوتا ہے اور نہ بیکار ہے بلکہ کائنات کا چلانے والا اور پالنے والا ہر درخت اور پودے کو اپنی خاص حکمت اور مصلحت کے ساتھ پیدا کر رہا ہے، اور وہ اُسی کے منصوبے کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں، اگر نباتات خود بخود پیدا ہوتے تو اُن سے باقاعدہ الگ الگ چیزیں کیسے نکلتیں؟ اور اُن کے الگ الگ کام کیسے ہوتے؟ اُن سے نکلنے والی تمام چیزیں بیکار اور بے مقصد نہیں ہیں، بلکہ کام کی اور ضرورت کی اور بامقصد ہیں۔ کسی پودے سے غلہ نکل رہا ہے اور کسی پودے سے ترکاریاں نکل رہی ہیں، کسی پودے سے پھل نکل رہے ہیں اور کسی سے پھول نکل رہے

ہیں، کسی سے دوائیں نکل رہی ہیں، کسی سے روئی اور کسی سے تیل اور کسی سے ادرک لہسن اور پیاز نکل رہی ہے، کسی سے لکڑی کسی سے شکر، ذرا غور کرو تمام نباتات ایک ہی زمین پر لگائے جاتے ہیں اور ایک ہی پانی سے سیراب ہوتے ہیں اور ایک ہی ہوا، دھوپ، اور روشنی میں پرورش پاتے ہیں، آخر ان سے یہ تمام الگ الگ چیزیں کیا اپنے آپ نکل رہی ہیں یا کوئی خاص طور پر ان کی تخلیق کر کے مخلوقات کی ربوبیت کی خاطر ہر مخلوق کی ضرورت کا خیال رکھ کر اپنی رحمت کو پھولوں، پھلوں، ترکاریوں غلوں اور اناج کی شکل میں ظاہر کر رہا ہے؟ پودوں اور نباتات کی یہ علحدہ علحدہ خصوصیات پکار پکار کر اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھا رہی ہیں اور کہہ رہی ہیں کہ وہ خود سے ایسے نہیں بنیں بلکہ اُن کے مالک نے ان کو اِن اِن کاموں کیلئے بنایا ہے۔

درختوں اور پودوں کی پیداوار میں یکسانیت اور ہمشکلی اور جسامت میں برابری اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتی ہے

ذرا یہ بھی غور کرو! جب کسی پودے سے چاول نکل رہا ہے تو اس پودے کے چاول، یا اس قسم والے پودوں کے چاول کی لمبائی، چوڑائی اور موٹائی ایک جیسی ہی ہوتی ہے۔ کسی چاول کا دانہ بڑا اور کوئی موٹا اور کوئی چھوٹا نہیں ہوتا۔ اور پھر اس اقسام کے پودے چاہے کسی ملک میں کاشت کئے جائیں مثلاً باسمتی چاول، کے پودے ہر زمانے، ہر ملک اور ہر جگہ ایک ہی شکل، صورت، جسامت، اور برابری والے چاول ہی کے دانے ظاہر کریں گے۔ کسی دانے میں ذرہ برابر بھی فرق نہیں ہوتا۔ اسی طرح گیہوں کے دانوں کا حال ہے، شربتی گیہوں بالکل ایک جیسا، ایک سائز ہر دانے کی لمبائی، موٹائی، برابر برابر ہوتی ہے جیسے موتی کے دانے ہوتے ہیں۔ اِسی طرح دالوں کا حال بھی یہی ہے۔ دنیا میں مسور، مونگ، توّر (ارہر) ماش، چنا کے دالوں کی کاشت کسی علاقے اور کسی ملک میں کی

جائے تو ہر قسم کی دال کا دانہ بالکل برابر برابر اور شکل وصورت اور جسامت میں ایک جیسا ہی نظر آئے گا۔ ذرا غور کرو! آخر چاول، گیہوں، جوار اور دالوں کے پودوں میں نہ کوئی مشین ہے اور نہ آلہ اور نہ ناپ اور نہ ترازو، مگر پھر بھی چاول کا ہر دانہ برابر برابر ہوتا ہے، گیہوں کا ہر دانہ برابر برابر ہوتا ہے، دالوں کا ہر دانہ برابر برابر ہوتا ہے۔ آخر وہ کون ہے جو ہر دانے کو بغیر پیمانے اور سانچے کے برابر برابر ایک جیسا پیدا کر رہا ہے؟ کیا خود بخود ان پودوں سے نکلنے والی پیداوار میں یکسانیت ہم شکلی اور برابری آ رہی ہے یا کسی کا خاص منصوبہ اور حکمت ہے؟ بیشک یہ کہنا پڑے گا کہ یہ سب کائنات کے بنانے اور چلانے والے کا منصوبہ اور قدرت ہے۔ اگر ایک ہی پودے کے چاول یا دالوں میں بڑے چھوٹے، موٹے اور باریک دانے ہوتے تو انسان کو غذا تیار کرنا مشکل ہو جاتا، ذرا غور کرو! پیدا کرنے والے کی حکمت اور مصلحت پر کہ تمام دانوں کی جسامت ایک اور برابر برابر رکھ کر پکوان کو آسان سے آسان بنا دیا گیا چنانچہ انسان پورے برتن کے چاول میں کے دو چار دانوں کو دبا کر دیکھ لیتا ہے اور اس کے تیار ہونے کا اندازہ لگا لیتا ہے اگر دانے چھوٹے بڑے ہوتے تو کوئی دانہ گلتا، اور کوئی کچا ہی رہ جاتا کسی کو پکنے کیلئے دس منٹ لگتے اور کسی کو پکنے کیلئے پندرہ منٹ لگتے اور انسان کچے پکے دانے کھا لیتا یا چاول گل کر خراب ہو جاتا؟۔ ذرا غورو کرو! کیا یہ سب اپنے آپ ہو رہا ہے یا بنانے اور پیدا کرنے والا اپنی خاص حکمت، مصلحت، اور رحمت کی وجہ سے ایسی تخلیق کر کے اپنی قدرت کو ظاہر کر رہا ہے؟

نباتات کے پھولوں، پتوں کی جسامت شکل وصورت میں یکسانیت اور برابری اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے

سب سے پہلے اس بات پر غور کرو! کہ ہر اقسام کے درختوں اور پودوں کے پتے، پھول ڈالیاں الگ الگ کیوں ہیں۔ اگر وہ خود بخود پیدا ہوتے تو سب کی شکل وصورت

پتے ڈالیاں ایک جیسی ہی ہونا چاہیے تھا مگر ان کے پتے پھول اور ڈالیوں میں اختلاف اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتا ہے اور تمام درخت اور پودے رات دن انسانوں کو پکار پکار کر اپنی خاموش زبان میں یہ اعلان کر رہے ہیں کہ اے انسانو! تم ہمارے پھول' پتوں اور ڈالیوں پر غور کرو ہمارا مالک صرف خالق ہی نہیں بلکہ مصوّر بھی ہے اُس نے اپنی قدرت اور حکمت سے ہر درخت کے پتوں کو الگ الگ شکل وصورت دی۔ اور ان کی جسامت کو بالکل ایک جیسی رکھا چنانچہ ہر اقسام کے درخت کے پتے ایک جیسے اور جسامت میں برابر برابر ہونے سے انسان کو پہچان بھی آسان ہوگی اور ہر درخت حسن و خوبصورتی کا مظہر بن گیا' مثلاً نیم کے درخت دنیا میں کہیں بھی لگائے جائیں یا آم کا درخت یا جام اور انار کا درخت یا انگور کی بیل یا کدو کی بیل' یا انجیر کا درخت ان تمام پودوں اور درختوں کے پتے اپنی اپنی اقسام میں شکل وصورت اور جسامت میں ہو بہو یکساں اور برابر برابر ہوتے ہیں۔ ہر قسم کے درخت کا پتہ جب مکمل بڑھ کر پتہ بن جاتا ہے تو وہ اپنے ساتھ والے پتے کی لمبائی چوڑائی اور موٹائی میں مکمل کاپی یعنی برابر برابر کا ہی رہے گا۔ کوئی پتہ موٹا' باریک' چھوٹا' بڑا نہیں رہے گا حالانکہ انسان پودوں اور درختوں کو کبھی پانی دینے میں کمی اور زیادتی بھی کرتا رہتا ہے' مگر درختوں اور پودوں کے پتوں' ڈالیوں اور پھولوں کی جسامت شکل وصورت میں کمی اور زیادتی نہیں ہوتی۔ اگر ایک درخت کے پتے اور پھولوں کی لمبائی' چوڑائی' موٹائی اور جسامت میں فرق آ جاتا تو درخت کی خوبصورتی بھی خراب ہو جاتی تھی اور انسانوں کیلئے پہچان بھی مشکل ہو جاتی تھی۔ ذرا غور کرو نیم کے درخت کے تمام پتوں کی شکل وصورت اور جسامت ایک جیسی ہوتی ہے' انار کے درخت کے پتوں کی شکل وصورت اور جسامت ایک جیسی ہوتی ہے ' اسی طرح آم' جام' وغیرہ کے پتے اور اس اقسام کے جتنے بھی درخت ہونگے' سب کے

پتے ایک جیسے اور یکساں ہوتے ہیں' تمام پتیاں ایک ہی سائز اور ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ذرا غور کرو انسانی مشینوں سے نکلنے والے مال میں بہت سارا اسکراپ مال اور نقص والا مال بھی نکلتا ہے' مگر پودوں اور درختوں میں کوئی سانچہ اور آلہ نہیں پھر بھی انکے پتوں پھولوں کی سائز اور شکل وصورت یکساں ہی یکساں ہوتی ہے۔ جیسے کوئی ان کو ناپ تول کر حساب سے بنا رہا ہے اور درختوں پر ظاہر کر رہا ہے۔ کیا عقل وفہم سے خالی درختوں اور پودوں سے یہ کام ہو سکتا ہے۔

پھولوں کی شکل وصورت اور ان میں طرح طرح کی خوشبو اور رنگت اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتی ہے

ذرا غور کرو! تمام درختوں اور پودوں سے جو پھول ظاہر ہوتے ہیں ان کی پتیاں اور شکل وصورت ہر اقسام کے پودوں کے لحاظ سے ایک جیسی اور ایک ہی جسامت والی ہوتی ہے' مثلاً موتیا کا پھول' چنبلی کا پھول' گلاب کا پھول' وغیرہ پھر وہ کون ہے جو ایک ہی پانی سے پودوں کی پرورش کر رہا ہے مگر ان میں علحدہ علحدہ خوشبو کو رکھا ہے؟ اگر پھول خود بخود بنتے تو اُن میں الگ الگ خوشبو رنگ اور ڈیزائن کیوں ہوتے؟

پھولوں کی شکل وصورت اور جسامت اور ان کی رنگت اللہ تعالیٰ کی صفت مصور کو سمجھنے کی آسان نشانی اور علامت ہے۔ وہ خالق ہونے کے ناطے نہ صرف پھول کو بناتا اور پیدا کرتا ہے بلکہ اُن میں خوبصورتی' رنگ اور شکل وصورت اور خوشبو بھی رکھتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز میں حسن اور خوبصورتی ہے اگر یہ کائنات خود بخود پیدا ہوتی تو اس میں اتنا حسن اور خوبصورتی اور جمال نہ ہوتا۔ پیدا کرنے والا اس کائنات کو اور اس کی چیزوں کو بغیر حسن وخوبصورتی اور جمال کے بھی پیدا کر سکتا تھا اور مخلوقات کی ضرورتیں بھی پوری

ہوسکتی تھیں مگر وہ اپنی خوبی اور کمالات کو مختلف چیزوں سے ظاہر کر کے اپنے خالق' مالک رب' حاکم' مصوّر اور حکیم وغیرہ ہونے کو سمجھا رہا ہے۔

پھلوں میں مختلف مزے اور اُنکی مٹھاس اللہ تعالیٰ کے وجود کی نشانی ہے

ہم ہر روز پھلوں کو استعمال کرتے ہیں۔ مگر غور وفکر نہیں کرتے۔ ذرا غور کرو! ہر قسم کے پھلوں مثلاً کھجور' سپوٹا (چیکو) انگور' (کشمش) موز (کیلا) سیتا پھل' گنّا وغیرہ جب یہ پھل تیار ہو جاتے ہیں تو ان کی مٹھاس تمام دانوں میں یکساں اور برابر برابر ہوتی ہے۔ جیسے کسی نے ہر دانے میں ناپ تول کر شکر ڈالی ہو۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ کوئی دانہ زیادہ میٹھا اور کسی میں مٹھاس کم اور کسی میں پھیکا پن ہو ایسا نہیں ہوتا۔ تو ذرا غور کرو! پودوں میں آخر ایسا کونسا پیمانہ اور ترازو ہے جو تمام درخت کی کھجوروں کو اور کیلا (موز) کی تمام پھنیوں کو اور ہر شاخ کے سپوٹوں (چیکوں) کو اور ہر خوشے کے انگوروں کو اور گنے کی ہر چھڑی کو برابر برابر حساب سے شکر تقسیم کر رہا ہے جبکہ تمام درختوں کو پانی کبھی کم ملتا ہے اور کبھی زیادہ بھی ملتا ہے۔ کبھی کھاد اچھی ملتی ہے کبھی کھاد کم بھی ملتی ہے' ہم اپنے گھروں کی غذاؤں میں میٹھا بناتے ہیں تو اس میں مٹھاس کم زیادہ ہو جاتی ہے' مگر درخت جو عقل وفہم نہیں رکھتے ان کو کوئی تعلیم اور ڈگری نہیں اور نہ اُن کے پاس سائنسی علوم موجود ہیں مگر اس کے باوجود پھلوں میں مٹھاس برابر برابر حساب سے کیسے آجاتی ہے اور عجیب بات ہے کہ جب پھل کچے ہوتے ہیں وہ بالکل کھٹے اور بدمزہ اور کسیلے ہوتے ہیں' مگر جب پک کر تیار ہو جاتے ہیں تو وہی کھٹاس مٹھاس میں بدل جاتی ہے۔

اسی طرح درختوں پر جب موز کیلا' انار' انگور سیب اور کھجور کے پھل پوری طرح تیار ہو جاتے ہیں تو ہر اقسام کے پھلوں کی جسامت' صورت شکل بھی بالکل ایک جیسی اور ملتی جلتی ہوتی ہے موز (کیلے) کی پھنی کے موز ایک خاص سائز کے ساتھ لگتے ہیں اور انگور

کے خوشوں کے انگور ایک خاص تربیت اور سائز کے ساتھ خوشوں پر لگتے ہیں ہر درخت کی کھجوریں اُس کی اقسام کے لحاظ سے برابر برابر اور ایک جیسے ہی ہوتے ہیں' جیسے کسی سانچے اور مشین میں ڈھال کر تیار کیا گیا مال ہوتا ہے کیا درخت خود بخود پھلوں کو ایسے تیار کر رہے ہیں یا ان کا پیدا کرنے والا اپنی قدرت کو اس طرح سے ظاہر کر رہا ہے؟ اسی طرح غور کرو پھلوں میں ایک پھل املی ہے جو ترکاری میں استعمال ہوتی ہے اُسکی کھٹاس تو انتہا درجہ کی ہوتی ہے اور املی کے درخت پر تمام املی کے دانوں میں مساوی کھٹاس ہوتی ہے۔ آخر تمام درختوں کو پانی تو ایک ہی مل رہا مگر یہ کس کی قدرت ہے کہ ایک ہی پانی سے مٹھاس بھی تیار ہو رہی ہے اور اسی پانی سے املی' لیمو' جیسے کھٹاس والے پھل بھی تیار ہو رہے ہیں۔ ان سب چیزوں پر غور کرنے کے بعد انسان خدا کی قدرت کا انکار نہیں کر سکتا اور یہ مانے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس دنیا کا کوئی بنانے' چلانے اور پرورش کرنے والا ہے جو بہت حکیم وقدیر بھی ہے اور جس کی تخلیق' ربوبیت اور رحمت کے نمونے ہر مخلوق میں نظر آتے ہیں۔ درختوں میں مشین' آلہ' پیمانہ اور ترازو نہیں پھر یہ سب کیا اپنے آپ ہو رہا ہے؟ عقلمندوں کیلئے اللہ کی پہچان کی یہ سب نشانیاں ہیں۔

مختلف قسم کے حیوانات اللہ تعالیٰ کے وجود کا اظہار ہیں

حیوانات میں درندے' پرندے' چرند اور حشرات الارض یہ سب اللہ تعالیٰ کے وجود کی بہت بڑی علامتیں اور نشانیاں ہیں پھر اُن میں خشکی کے حیوانات الگ' پانی کے حیوانات الگ' ریگستانی الگ' برفانی علاقوں کے الگ ہیں' دنیا کے تمام حیوانات کارآمد ہیں بیکار نہیں ہیں بنانے والے نے کسی نہ کسی مقصد کے تحت ان کو بنایا اور پیدا کیا ہے اگر حیوانات خود بخود پیدا ہوتے تو انکے الگ الگ اقسام اور کام نہ ہوتے۔ تمام کے تمام حیوانات دن' رات انسانوں کو گواہی دے رہے ہیں کہ انکا مالک ان کو ایک خاص منصوبہ اور پروگرام اور

مقصد کے تحت پیدا کر رہا ہے' وہ خود سے خود بخود ایسے نہیں بن رہے ہیں' وہ بار بار اللہ تعالیٰ کے وجود کو یاد دلاتے ہیں اور احساس دلاتے ہیں کہ ان میں جو بھی کمال' نفع' خوبی اور حسن ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا عطیہ اور دین ہے اور اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات کو سمجھاتا ہے۔

چیونٹیوں' مکھیوں' مکھوڑوں' مچھروں' دیمک کی جسامت' شکل وصورت اور لمبائی چوڑائی اللہ تعالیٰ کے وجود کو ظاہر کرتی ہے

حشرات الارض کے ان کیڑوں پر غور کرو! بنانے والا ان کو بھی دوسرے جانور کی طرح بڑا چھوٹا' موٹا' اور دبلا اور لمبا بنا سکتا تھا۔ مگر جب ہم چیونٹیوں پر غور کرتے ہیں تو وہ ایک ہی جسامت اور ایک ہی لمبائی اور موٹائی کی نظر آتی ہیں' خاص طور پر کالی چیونٹی میں تو اتنی برابری اور مساوات ہوتی ہے کہ دنیا کی کسی انسانی فوج میں بھی ایک سائز کے فوجی نہیں ملتے۔ اسی طرح مکھیوں پر غور کرو۔ تمام مکھیاں جو گھروں میں نظر آتی ہیں ایک ہی جسامت اور ایک ہی سائز اور ایک ہی قد کی ہوتی ہیں صرف زہریلی مکھی کو چھوڑ کر اسی طرح مکوڑوں کی فوج پر غور کرو ان کی بھی جسامت اور قد اور موٹائی ایک جیسی برابر برابر ہوتی ہے مچھروں کا بھی یہی حال ہے تمام کے تمام مچھر ایک ہی طرح ایک ہی سائز کے ہوتے ہیں اسی طرح دیمک بھی ایک ہی سائز اور جسامت کی ہوتی ہے۔ آخر بنانے والے نے دوسرے جانوروں کو موٹا' دبلا' لمبا اور چھوٹا بنایا اور اُنکا قد' جسامت الگ الگ طرح کی رکھا پھر ان حشرات الارض میں یکسانیت اور برابری کیوں؟ گویا کائنات کا مالک ہمیں یہ تعلیم دے رہا ہے کہ وہ ہر طرح سے قادر ہے اور اپنی شان مصوّری کے ذریعہ جسکو جیسا چاہے بنا سکتا اور شکل وصورت دے سکتا ہے تمام کیڑوں کا اپنی جسامت شکل وصورت' لمبائی' موٹائی' اور قد میں ایک جیسے ہونا خود بخود نہیں یہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتے ہیں۔ عقلمندوں کیلئے ان پر غور وفکر اللہ تعالیٰ تک پہونچاتا ہے۔

جانوروں کی خوبصورتی اور شکل وصورت کا علحدہ علحدہ ہونا اللہ تعالیٰ کے وجود کی علامت ہے

دنیا کے بنانے والے نے دنیا کو خوبصورت اور خوشنما بنانے کیلئے تمام جانوروں کو مختلف رنگ اور مختلف شکل وصورت کا بنایا ہے۔ اگر جانور اپنے آپ بنتے اور پیدا ہوتے تو وہ اتنے خوبصورت اور رنگین نہ ہوتے اور نہ اُن میں اتنے رنگ ہوتے۔ ذرا غور کرو ہر پرندے کے انڈوں میں ایک ہی زردی اور ایک ہی سفیدی ہوتی ہے پھر پرندوں میں مختلف رنگ کیسے پیدا ہو رہے ہیں؟ حالانکہ رنگوں کے پیدا ہونے کیلئے سفیدی اور زردی کو بھی مختلف رنگوں کا ہونا چاہیے تھا۔ اسی طرح انکی بناوٹ میں مختلف صورتیں اور شکلیں اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ کوئی انکو اپنی خاص حکمت اور منصوبے کے تحت ایسا بنا رہا ہے اونٹ' ہاتھی' خرگوش' کینگروا اور سانپ' کی بناوٹ پر غور کرو بنانے والے نے انکو اپنی شان مصوّری کے ذریعہ علحدہ علحدہ شکل وصورت دے کر اپنی تخلیق کا مظاہرہ کیا ہے جانوروں میں اُنکے رنگ اور شکل وصورت میں اختلاف کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتا ہے۔

جانوروں کی آوازوں میں اختلاف نشانی اور دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کی

ذرا جانوروں کی آوازوں پر غور کرو! ان کی طرح طرح کی آوازیں اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتی ہیں۔ تمام جانوروں کو الگ الگ قسم کی آوازیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا کمال ہے۔ تمام جانوروں میں چمڑے ہی کی زبان اور ایک ہی قسم کا خون اور وہ ایک ہی پانی پیتے اور ایک ہی ہوا استعمال کرتے سب کے اعضاء گردے' دل' پھیپھڑے' زبان' خون' ہڈی وغیرہ سب ایک ہی طرح کے ہوتے ہیں پھر اُنکی آوازوں میں فرق کیسے

آ گیا؟ شیر کی آواز الگ' بلی کی آواز الگ' کوے کی آواز الگ' طوطا اور مینا کی آوازیں الگ' یہ سب اس بات کی گواہی دے رہیں ہیں کہ انکے مالک نے ان کو خاص خاص آوازیں دے کر پیدا فرمایا اگر خود بخود پیدا ہونے کا طریقہ ہوتا تو سب کی آواز ایک جیسی ہی ہوتی مگر بکری کی آواز گائے کی آواز سے نہیں ملتی' کتے کی آواز گدھے کی آواز سے نہیں ملتی' کوئل کی آواز مینا کی آواز سے نہیں ملتی آخر وہ کونسی مشین ہے جو ان کے اندر سے الگ الگ آوازیں نکالتی ہے۔ آوازوں میں اختلاف کی وجہ سے جانور پہچانے بھی جاتے ہیں اور انسانوں کے کانوں کو لذت بھی ملتی ہے۔ اُنکی آوازوں کا اختلاف اللہ کے وجود کو سمجھاتا ہے

جانوروں سے مختلف چیزوں کا نکلنا اور ان کے مختلف کام اللہ تعالیٰ کے وجود کی علامت ہے

ایک وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے اسکی سمجھ میں یہ بات آسانی سے آسکتی ہے کہ ان جانوروں کے اوپر کوئی ذات ہے جس نے کسی کو انڈے دینے کیلئے' کسی کو دودھ دینے کیلئے اور کسی کو گوشت اور کسی کو سواری اور کسی کو خوبصورتی اور سکون دینے کیلئے اور کسی کو غذاؤں کیلئے پیدا فرمایا ہے ان کا الگ الگ مقاصد کیلئے پیدا ہونا نشانی اور علامت ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کی ذرا یہ بھی غور کرو کہ پیدائش کا نظام کسی کا انڈوں کے ذریعہ ہے اور کسی کا ماں کے پیٹ کے ذریعہ اگر خود بخود پیدا ہونے کا طریقے ہوتا تو سب کے سب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوتے' پیدائش کا یہ مختلف طریقہ گواہی دے رہا ہیکہ اس کائنات کا کوئی مالک ہے جو اپنے خاص منصوبے اور پروگرام کے تحت ایسا پیدا کر رہا ہے۔ اور اُن سے الگ الگ کام لے رہا ہے' پھر انڈوں سے پیدا ہونے والوں کو دودھ کے بغیر پال رہا ہے اور ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والوں کو دودھ کے ذریعہ پال رہا ہے یہ بھی نشانی اور علامت ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کی

حیوانات کے مزاجوں اور طبعیتوں میں اختلاف دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کی

یہ بھی سوچو کہ ہر جانور کی طبعیت اور مزاج الگ الگ کس نے بنایا' بلی اور شیر کا مزاج الگ' اونٹ اور ہاتھی کا مزاج الگ' بکری اور گائے کا مزاج الگ' گدھے کا مزاج الگ' گھوڑے کا مزاج الگ' اگر یہ خود بخود پیدا ہوتے تو ان کے مزاجوں اور طبعیتوں میں فرق کیوں ہوتا؟ سب کے سب ایک ہی مزاج اور طبعیت کے ہوتے' ان کا مزاج اور طبعیت الگ الگ ہونا کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ ان کا مالک ان کو خاص خاص مزاجوں اور طبعیتوں پر پیدا فرما رہا ہے؟ پھر ان کے پیدا ہونے والے بچے بھی اُن ہی کی طبعیت اور مزاج لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ جبکہ انسان کے بچوں میں وہ کیفیت نہیں ہوتی۔ ہر انسان اپنے ماں باپ' جیسا مزاج اور طبعیت لے کر پیدا نہیں ہوتا۔

جانوروں میں غذاؤں کا اختلاف اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتا ہے

کوئی جانور گھاس کھاتا ہے' کوئی گوشت کھاتا ہے اور کوئی کچا دانہ اور اناج کھاتا ہے' کوئی پھل پھلاری کھاتا ہے' کوئی پتہ کھاتا ہے اور کوئی گوشت اور پتہ دونوں کھاتا ہے۔

جانوروں کی غذائیں الگ الگ ہونے سے یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے کہ اگر یہ تمام جانور خود بخود پیدا ہوتے تو ہر ایک کا معدہ ایک جیسا ہوتا اور ہر ایک کی غذا ایک ہی ہوتی' اس لئے یقیناً یہ ماننا پڑے گا کہ کوئی ذات ہے جس نے ان کی طبعیتوں اور مزاجوں کے ساتھ ساتھ ان کی غذاؤں کو بھی الگ الگ رکھا ہے جس کی وجہ سے ہر جانور اپنی غذا سے ہٹ کر دوسری غذا کو منہ نہیں لگاتا' جانوروں میں غذاؤں کا اختلاف' نشانی اور علامت ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کی کہ اس نے اپنی خاص حکمت اور منصوبہ سے ان کیلئے علحدہ علحدہ غذائیں مقرر کر رکھی ہیں۔

جانوروں کی ضرورتوں کے لحاظ سے اُن کو اعضاء دیئے گئے اعضاء کی بناوٹ میں اختلاف اللہ تعالیٰ کے وجود کی علامت ہے

جانوروں کو بنانے والے نے اُنکی ضرورتوں کے لحاظ سے ان کو اعضاء دیئے۔ دانہ کھانے والوں کو سیدھی سادی چھوٹی مضبوط چونچ دی گئی جیسے مرغی، کبوتر، چڑیا، مینا وغیرہ مگر طوطے کو موٹی اور تیز اور سخت چونچ جس سے وہ جام، مرچ اور کچے پھلوں کو آسانی سے کتر سکتا ہے۔ جو پرندے تنوں میں سوراخ کر کے گھر بناتے ہیں اور درختوں کی چھال میں کیڑے تلاش کرتے ہیں ان کو لمبی، نکیلی (نوک دار) چونچ دی گئی، مرغابی اور بطخ کا کام پانی میں اپنی غذا تلاش کرنا ہے اس لئے انہیں کر چھا نما (چپٹی) چونچ دی گئی شکار کرنے والے پرندوں کو سخت نکیلے اور بڑے پنجے دیئے گئے تا کہ وہ شکار اور شاخوں کو پکڑ سکیں۔ بطخ جیسے پرندوں کو پانی میں تیرنے کیلئے چپّو نما جھلّی والے چوڑے پنجے دیئے گئے ایسے بہت سے پرندے جن کی ٹانگیں لمبی ہوں اور قد اونچا ہوتا ہے بہت لمبی لمبی چونچ دی گئی، جسکی مدد سے وہ پانی میں کھڑے کھڑے اپنے شکار کو پکڑ لیتے ہیں ۔ بہت سارے جانوروں کو پانی میں دیکھنے کے قابل آنکھیں دی گئیں آخر انسان پانی میں کیوں نہیں دیکھ سکتا؟ جو جانور راتوں میں نکلتے ہیں ان کو اندھیرے میں دیکھنے کے قابل آنکھیں دی گئیں۔ اونٹ کو خاص طور پر ریگستانوں میں ریت پر دوڑنے کے قابل پیر دیئے گئے۔ اور پانی کو پیٹ میں جمع رکھنے کی ٹانکی دی گئی۔ اب ذرا سوچو کہ اگر یہ خود بخود پیدا ہوتے تو سب کی چونچ سب کے پنجے اور سب کے پیر ایک جیسے ہی ہونا چاہیے تھا۔ ان کی بناوٹ میں اختلاف اور فرق کھلے طور پر اللہ تعالیٰ کے وجود کی نشانیاں اور علامتیں ہیں۔ جنگلی کبوتر پر غور کرو وہ انسانوں کے ساتھ گھروں میں نہیں پلتے۔ انکو پیدا کرنے والے نے صرف ایک ہی رنگ یعنی سرمئی عطا فرمایا اور جو کبوتر انسانوں کے

ساتھ گھروں میں پلتے ہیں انہیں مختلف رنگوں اور اقسام کے بنایا، تا کہ انسانوں کیلئے خوشنمائی، دلچسپی اور آنکھوں کی لذت کا سامان بنیں اور دنیا میں رنگینی ہو۔ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ سب کچھ بنانے والے کا خاص منصوبہ اور پلان ہے۔ یہ اپنے آپ ایسے نہیں بن رہے ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ ان کو ایسا بنا رہا ہے، جانوروں پر یہ بھی غور کرو کہ ہر قسم کے جانور اپنے اپنے گروپ ہی کے ساتھ رہتے اور رات گذراتے ہیں مثلاً کوّا ہمیشہ کوؤں کے ساتھ ہی رہے گا اور تمام کوّے مل کر ایک درخت پر ہی اپنا بسیرا جماتے ہیں۔ طوطے ہمیشہ طوطوں ہی کے ساتھ کبوتر، کبوتروں ہی کے ساتھ رہتے ہیں اسی طرح ہرن، ہرنوں کے ساتھ، بکریاں، بکریوں کے ساتھ، بندر بندروں کے ساتھ، چیل، چیلوں کے ساتھ ہی رہتے ہیں ایسا نہیں کہ ایک ہی درخت پر کوا، مینا، طوطا، بڑا بغل، چیل، کبوتر، بندر سب مل کر رہتے ہوں، آخر ان کو علحدہ علحدہ رہنے کی ہدایت کس نے دے رکھی ہے؟ کیا یہ خود سے ایسے رہتے ہیں یا کسی نے تربیت دے رکھی ہے؟ یہ سب اُن کے پیدا کرنے والے کی ہدایت ہے اسی طرح شام کے وقت آسمان پر نظر اٹھا کر دیکھو تو ہر قسم کا پرندہ اپنی اپنی ٹکڑیوں کے ساتھ باقاعدہ ایک ترتیب اور ایک ہی لائن میں گھونسلوں کو واپس ہوتے ہیں وہ ایک ساتھ اپنے پروں کو حرکت دیتے ہیں جیسے کوئی تربیت یافتہ فوج ہو، کیا یہ ترتیب اور لائن سے واپس ہونا کسی کی تربیت نہیں تو اور کیا ہے؟ انسانوں اور جنوں کے لئے اس میں آنکھوں کی ٹھنڈک اور خوبصورتی ہے۔

انسانوں پر غور وفکر کرو

پیارے بچو! انسان جتنا زیادہ اپنے آپ پر اور دوسرے انسانوں پر غور وفکر کرتا چلائے گا، اُسے اتنی ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت (پہچان) ملتی چلی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کو مانے بغیر نہیں رہ سکے گا۔ اسی لئے اسکو خود اپنے اندر بھی غور کرنے کی تعلیم دی گئی

مختلف عمروں میں انتقال کرنا اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتا ہے

انسانوں کی زندگیوں پر غور کرو! کوئی بچپن میں اور کوئی جوانی میں اور کوئی بڑھاپے میں دنیا سے انتقال کر جاتا ہے۔ اگر انسان خود بخود پیدا ہوتے تو یہ الگ الگ عمروں میں کیوں انتقال کر جاتے ہیں۔ سب کی عمریں ایک ہی ہونی چاہیے تھیں۔ مختلف عمروں میں مرنا اور مختلف طریقوں سے انتقال کر جانا اس بات کی علامت اور نشانی ہے کہ کوئی ذات ان پر ہے جو جبّار ہے اور اپنے جبر سے انکو الگ الگ عمروں میں موت دے رہی ہے۔ اگر خود بخود پیدا ہونے کا طریقہ ہوتا تو کوئی بھی مرنے کیلئے تیار نہیں ہوتا اور نہ موت کو اور موت کی تکلیف کو پسند کرتا' اور کوئی بھی بوڑھا ہونے کیلئے تیار نہیں ہوتا' پیدائش' بچپن' جوانی اور بوڑھاپے کے حالات سے گذرنا' کسی کے جبر کا نتیجہ ہے اور اُسی جبر کے تحت انسان بوڑھاپے اور موت سے گذرنے پر مجبور ہے۔ انسان پر مختلف عمروں میں موت کا آنا' اس بات کی دلیل ہیکہ کوئی ذات ہے جو رب ہونے کے ناطے پرورش کے انتظامات کرتی اور جبّار ہونے کے ناطے جبر کے ساتھ موت دیکر اس دنیا سے رخصت کر دیتی اور موت کے ذریعہ دوسری دنیا میں لے جاتی ہے۔ انسان دنیا میں آنے کیلئے بھی مجبور ہے اور دنیا سے جانے کیلئے بھی مجبور ہے بغیر جبّار کے حکم کے موت وحیات نہیں۔

اولاد کے ہونے نہ ہونے میں اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے

اِسی طرح انسانوں کو خود بخود اولاد ہوتی تو کوئی بھی انسان اولاد سے محروم نہ رہتا اور کوئی لڑکیوں سے اور کوئی لڑکوں سے محروم نہ رہتا۔ دنیا میں کسی کو اولاد ہونا اور کسی کو اولاد نہ ہونا اور کسی کو لڑکے ہی ہونا اور کسی کو لڑکیاں ہی ہونا اور کسی کو دونوں کا ہونا یہ اختلاف اور علامت' کھلی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کی کہ وہ جبّار ہونے کے ناطے اپنے جبر سے

کسی کو لڑکی دے رہا ہے کسی کو لڑکا اور کسی کو دونوں اور کسی کو دونوں سے محروم رکھا ہے انسان اولاد کے حاصل کرنے میں جبّار کا مجبور ومحتاج ہے۔ غرض اولاد سے محرومی اللہ تعالیٰ کے وجود کو ماننے کی دلیل ہے۔

انسانوں کی صورتوں اور شکلوں میں اختلاف کھلے طور پر علامت ونشانی ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کی

دنیا کے بنانے والے نے ہر اقسام کے پھولوں مثلاً گلاب' چمبلی' موتیا اور ہر اقسام کے غذاؤں کی شکل وصورت مثلاً چاول' گیہوں اور ترکاریوں اور ہر اقسام کے جانوروں کی شکل وصورت اُن کے اقسام کے لحاظ سے بالکل ایک جیسی بنایا اور ہم یہ فرق نہیں کر سکتے کہ کونسا پھول' غلہ اور ترکاری کس پودے کی ہے' چونکہ سب کی شکل وصورت اُن کے اپنے اپنے اقسام کے لحاظ سے ایک جیسی ہوتی ہے' مگر انسانوں کی تخلیق پر غور کرو' دنیا کے تمام انسانوں کی شکل وصورت یہاں تک کہ ان کی انگلیوں کے نشانات اور ان کی لکھت تک ایک دوسرے سے الگ الگ ہوتی ہے اور انسانوں کو دیکھے بغیر پہچان سکتے ہیں کہ یہ کونسے انسان کی انگلیوں کے نشانات ہیں اور یہ لکھت اور ہینڈ رائیٹنگ کس انسان کی ہے' انسانوں کو دیکھتے ہی ہم یہ پہچان سکتے ہیں کہ کون کس ملک کا انسان ہے مثلاً امریکہ کے انسانوں کی آنکھوں کو بھورا بنایا گیا۔ چین' جاپان اور تبت کے انسانوں کا قد کم اور ناک دبی ہوئی' آنکھیں بڑی بڑی ہوتی ہیں۔ آفریقہ کے انسانوں کے ہونٹ موٹے اور رنگ کالا ہوتا ہے' یوروپ کے علاقوں کے لوگ گورے ہوتے ہیں' پہاڑی علاقوں کے لوگوں کے قد لمبے لمبے ہوتے ہیں کسی کا رنگ گورا' کسی کا کالا' کسی کا گندومی اور کسی کے رنگ میں لالی' غرض زمین کے ہر قطعے کا انسان اپنی شکلوں' رنگوں وصورتوں

سے پہچانا جاتا ہے یہ تمام اختلاف ظاہر کر رہا ہے کہ کوئی اس کائنات کا خالق ہے جو جبّار ہونے کے ناطے اپنے جبر سے انسانوں کو ایسا پیدا فرما رہا ہے ورنہ کوئی بھی انسان اپنی مرضی سے گِڈا' کالا' چپٹا' اور موٹے ہونٹ والا بننے کے لئے تیار نہ ہوتا۔ ذرا غور کرو انسان کی یہ شکل وصورت اپنے آپ بن رہی ہے یا کسی مصوّر کی مصوّری کا کمال ہے؟ جو مختلف شکلیں اور صورتیں بنا کر انسانوں کو اپنی قدرت سمجھا رہا ہے جبکہ چاول' گیہوں جوار' اور ترکاری' پتوں' پھولوں کی شکل وصورت جسامت سب ایک جیسی اور برابر برابر ہوتی ہے مگر انسانوں کی شکل وصورت اور جسامت میں فرق کس نے پیدا کیا ہے؟ اگر انسان اس اختلاف پر غور کرلے تو اپنے مالک کا انکار نہیں کرسکتا۔

انسانوں کی طبعیت' مزاج' اور فطرت کا الگ الگ ہونا اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتا ہے

جسطرح ہر انسان کی شکل وصورت الگ الگ ہے اسی طرح ان کی طبعیت' مزاج' اور عقل وفہم سب کچھ الگ الگ ہے۔ جانوروں اور پودوں میں ان کی جنس کا ہر بچہ اپنے جنس کی کاپی' عکس اور سایہ ہوتا ہے مثلاً شیر کا بچہ شیر کی ہی صفات' عادات' وطبعیت اور مزاج لے کر پیدا ہوتا ہے' بلی کا بچہ بالکل بلی ہی کا مزاج' طبعیت لے کر پیدا ہوتا ہے چاول گیہوں کا پودا اپنی نسل کی خصوصیات ہی کا عکس وسایہ ہوتا ہے۔ مگر انسان کا بچہ ویسا نہیں ہوتا ہر بچہ اپنے ماں باپ کی طبعیت مزاج اور فطرت لے کر پیدا نہیں ہوتا' ماں باپ کی طبعیت اور مزاج اور فطرت الگ ہوتی ہے اور ان کی اولاد کی الگ مثلاً اگر کسی ماں باپ کو چار بچے ہوں تو چاروں کی طبعیت مزاج اور فطرت الگ الگ ہوتی ہے کوئی ذہین ہوتا ہے اور کوئی کند ذہن ہوتا ہے کوئی تیز طبعیت اور غصہ والا ہوتا ہے کوئی نرم

مزاج اور ٹھنڈا ہوتا ہے کوئی بہت زیادہ ہوشیار ہوتا ہے اور کوئی بھولا بھالا اور کوئی بالکل مدھو' کوئی شریر کوئی خود غرض اور کوئی بہت ہی شریف اور ہمدرد' کوئی پڑھائی کا شوقین' کوئی ہنر کا شوقین' اور کوئی کھیل کود کا شوقین ہوتا ہے' یہ سب کھلی دلیلیں ہیں اللہ تعالیٰ کے وجود کی کہ کوئی ذات ہے جو انسانوں کو امتحان اور آزمائش کی خاطر ایسا بنا رہی ہے اگر خود بخود پیدا ہوتے تو سب کے سب ایک جیسے ہی ہوتے سب کی طبعیت عادت اور فطرت ایک ہی ہوتی۔

انسانوں میں زبانوں اور بولی کا اختلاف کھلی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کے وجود کی

دنیا کے بنانے والے نے دنیا کے تمام کوّں' کبوتروں' طوطا' مینا' شیر' ببر کی زبانیں اور بولی ایک ہی رکھی' ایسا نہیں کہ ہندوستان کا کوا' الگ بولی بولتا ہو اور چین کا کوا' الگ بولی بولتا ہو' آفریقہ کا شیر اور ہاتھی الگ انداز سے چنگاڑتے ہوں اور امریکہ کے ہاتھی اور شیر الگ انداز سے پکارتے ہوں ایسا نہیں۔ ہر جگہ کا کوّا' ببر' ہاتھی پوری دنیا میں ایک ہی طرح پکارتے ہیں مگر انسان کی بولی اور زبانوں پر غور کرو ان کے بنانے والے نے ان کو مختلف بولیاں اور زبانیں عطا کر کے اپنے علیم ہونے کو سمجھایا' چنانچہ مختلف ملکوں کے انسانوں کی بولیاں اور زبانیں الگ الگ ہیں یہاں تک کہ ایک ہی ملک میں رہنے والوں میں ہر شہر کی بولیوں میں فرق ہے۔ چنانچہ خود ہمارے ملک ہندوستان میں کہیں ہندی' کہیں ٹامل' کہیں تلگو' کہیں کنڑی' کہیں اُردو اور کہیں پنجابی زبانیں بولی جاتی ہیں یہاں تک کہ شہر اور گاؤں کی بولیوں میں فرق ہوتا ہے' مگر جانوروں میں شہر کے کوّں اور گاؤں کے کوّں کی بولیوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ انسانوں کی زبانوں اور بولیوں

میں اختلاف' بتلا رہا ہے اور انسانوں کو پکار پکار کر یہ سمجھا رہا ہے کہ اے انسانو! تمہارا مالک اور پروردگار بڑا علیم ہے اور وہ ہر قسم کا علم جاننے والا ہے' وہ جانوروں' نباتات' انسانوں' جنوں اور فرشتوں سب کی بولیاں جانتا اور سمجھتا ہے اس نے اپنے علیم ہونے کو سمجھانے کیلئے مختلف مخلوقات میں مختلف بولیاں عطا فرمائی ہیں تاکہ انسان اپنے مالک کی قدرت کو سمجھے اور مالک کو مانے۔

انسان کے الگ الگ عضو سے الگ الگ کاموں کا ہونا اللہ تعالیٰ کے وجود کی علامت ہے

ذرا غور کرو! انسان کے تمام بدن میں خون' ہڈی اور گوشت ہے اور تمام اعضاء ہوا' پانی اور غذا ہی سے پرورش پاتے ہیں مگر انسانی اعضاء الگ الگ کام انجام دیتے ہیں۔ کسی گوشت کے حصے کو دیکھنے اور کسی گوشت کے حصے کو سننے اور کسی گوشت کے حصے کو سمجھنے اور کسی گوشت کے حصے کو بات کرنے' کسی گوشت کے حصے کو سونگھنے اور کسی گوشت کے حصے کو محسوس کرنے کی صلاحیت کس نے دے رکھی ہے؟ ذرا غور کرو کیا انسان ہر عضو کیلئے علحدہ علحدہ غذا استعمال کرتا ہے؟ نہیں وہ ایک ہی قسم کی غذا استعمال کرتا ہے مگر جسمانی اعضاء میں یہ سب کمال کیسا؟ جبکہ جسم کا ہر عضو گوشت' خون' ہڈی کا مجموعہ ہے اور ان کو ایک ہی غذا اور میٹریل مل رہا ہے' مگر سب اعضاء کی خصوصیتیں الگ الگ ہیں' آخر جانور انسانوں جیسے دماغ اور فہم سے خالی کیوں ہیں؟ وہ بھی زبان رکھتے ہیں مگر انسانوں جیسی بات چیت کیوں نہیں کرسکتے؟ دل' گردے' بھیجہ' آنکھ' کان' سب کچھ رکھنے کے باوجود سوچنے سمجھنے کی اُن میں انسانوں جیسی صلاحیت کیوں نہیں؟ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ اس دنیا کا مالک اپنی کاریگری اور تخلیق کے بہترین نمونے بنا بنا کر اپنی

قدرت کو سمجھا رہا ہے اور بتلا رہا ہے کہ وہ ہر چیز پر ہر طرح سے غالب ہے اور بے انتہا قدرت رکھتا ہے وہ حکیم ہے اپنی حکمت سے ہر جاندار کے اعضاء کو جیسی جیسی صلاحیتوں کی ضرورت تھی وہ اپنی قدرت سے عطا فرمایا۔ ہر عضو میں الگ الگ صلاحیتیں خود سے پیدا نہیں ہوتیں بلکہ یہ سب کائنات کے خالق کی تخلیق کا کمال ہے انسان اس پر غور کرلے تو خدا کا انکار نہیں کرسکتا۔

مخلوقات میں جنس کا الگ الگ ہونا اللہ تعالیٰ کے وجود کی دلیل ہے

خالق کائنات نے صرف مخلوق کو پیدا ہی نہیں کیا بلکہ اصول اور ضابطے کے ساتھ پیدا کیا چنانچہ دنیا کی اس زندگی میں مخلوقات میں نر اور مادہ بھی ہونا ضروری تھا اس لئے اُس نے مخلوقات کو جوڑا جوڑا بنایا' ہر مخلوق میں الگ الگ جنس اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا کمال ہے' اس نے نر اور مادہ پیدا کئے اور انسانوں میں بھی مرد اور عورت کو پیدا کیا' اگر انسان یا دوسری مخلوقات میں خود بخود پیدا ہونے کا طریقے ہوتا تو کوئی بھی مادہ بننے کیلئے تیار نہ ہوتا اور مادہ کی ذمہ داریاں سنبھالنے تیار نہ ہوتا' اگر انسان خود بخود پیدا ہوتا تو سب کے سب مرد ہوتے یا سب کے سب عورتیں ہوتیں' کوئی بھی اپنی مرضی سے عورت بننے کیلئے تیار نہ ہوتا' مگر ہر کوئی مجبور ہے عورت' عورت بننے پر اور مرد' مرد بننے پر' کوئی ذات جبّار ہے جو جبر کرکے ان کو عورت اور مرد بنا رہی ہے۔ جانداروں میں نر اور مادہ کا باقاعدہ ہونا اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتا ہے اور یہ اس بات کی علامت اور نشانی ہے کہ کوئی ذات ہے جو اپنے خاص منصوبے اور حکمت سے انہیں نر اور مادہ بنا رہی ہے اور اُن سے علحدہ علحدہ کام لے رہی ہے

عورتوں اور مردوں کی آوازوں میں فرق اللہ تعالیٰ کے وجود کی کھلی دلیل ہے

ذرا غور کرو! آخر مرد کی آواز اور عورت کی آواز میں فرق کیوں ہے؟ ہم مرد اور

عورت کو دیکھے بغیر صرف ان کی آواز سن کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ مرد کی آواز ہے یا عورت کی آواز۔ آخر آوازوں میں اختلاف کس نے رکھا ہے؟ جبکہ مرد اور عورت ایک ہی قسم کی غذائیں کھاتے ہیں، دونوں کے جسم میں ایک ہی قسم کا گوشت، خون، ہڈی، چمڑا، اور ایک ہی طرح کی چمڑے کی زبان ہوتی ہے اور ایک ہی طرح کے ہونٹ اور منہ میں دونوں کے ۳۲۔۳۲ دانت۔ اور ایک ہی طرح کا حلق اور ایک ہی طرح کی حلق کی نالی اور ایک ہی طرح کا دل، گردے، بھیجہ، معدہ سب ایک ہی طرح کا ہوتا ہے تو پھر اُنکی آوازوں میں فرق کیوں؟ اور کیوں مرد کی آواز الگ اور عورت کی آواز الگ بن گئی ہے؟ جبکہ مرد اور عورت کے سننے اور سونگھنے، چکھنے اور دیکھنے میں کوئی فرق نہیں، پھر آوازوں میں فرق کیسے پیدا ہوگیا؟ اگر ہم جانوروں پر غور کریں گے تو کوا، گائے، بیل، بھینس، چڑیا، طوطا مینا، چیل، بندر، گدھا، کتا، بلی، کے نر اور مادہ کی آوازوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا مگر عورتوں اور مردوں، لڑکے اور لڑکی کی آوازوں میں کھلا فرق نظر آتا ہے اور آواز عمر کے لحاظ سے تبدیل ہو کر بوڑھاپے میں بوڑھی ہوجاتی ہے۔ آوازوں کا یہ فرق اور اختلاف اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق کی گواہی دے کر انسانوں کو خدا کے موجود ہونے کی دلیل دے رہا ہے اگر انسان خود سے پیدا ہوتے تو ان کی آوازوں میں اختلاف نہ ہوتا، سب کی آوازیں ایک ہی ہوتیں۔ مگر عورت اور مرد کی آوازوں میں فرق رکھ کر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا مظاہرہ کر رہا ہے، پھر اس بات پر بھی غور کرو کہ ہر مرد اور ہر عورت کی آواز ایک دوسرے سے نہیں ملتی آپ دنیا کے کسی کونے میں بیٹھ کر ٹیلیفون پر صرف آواز سن کر یہ بتلا سکتے ہیں کہ یہ فلاں عورت کی آواز ہے، یا فلاں مرد کی آواز، ہر مرد اور عورت کی آوازوں کا علحدہ علحدہ ہونا کیا خود بخود ہے یا کسی کی تخلیق کا کمال؟ بیشک یہ اللہ تعالیٰ کی تخلیق کا کمال ہے جو دنیا کے تمام مردوں اور عورتوں کی آوازوں کو الگ الگ بنا رہا ہے۔

ہر جنس کے نر اور مادہ کی علحدہ علحدہ پہچان اللہ کے وجود کو سمجھاتی ہے

ذرا غور کرو کہ تمام جانداروں میں دنیا کے بنانے والے نے نر اور مادہ بنائے ہیں مگر نر اور مادہ کی پہچان کو بالکل الگ الگ رکھا۔ ہم دور سے دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ نر ہے یا مادہ۔ حالانکہ تمام اقسام اور جنس کے نر اور مادہ دونوں کی غذائیں ایک ہی ہوتی ہیں وہ ایک ہی پانی پیتے اور ایک ہی ہوا استعمال کرتے، مگر دونوں کی جسامت، شکل و صورت میں علحدہ علحدہ پہچان ہوتی ہے مثلاً مرد کے چہرے پر داڑھی، مرغ کی ایک خاص پہچان ببر اور شیر کی ہیت الگ، بارہ سنگھا کی پہچان الگ ہوتی ہے۔ ذرا غور کرو عورت کے چہرے پر داڑھی کو کس نے روک دیا، اسی طرح مرد اور عورت کے مزاج الگ، دونوں کی عادتیں الگ، دونوں کے صفات الگ الگ کس نے رکھی ہیں کیا یہ خود بخود ایسے بن گئے ہیں یا کسی نے مرد میں خاص طور پر مردانہ انداز اور عورت میں زنانی انداز کو رکھا ہے؟ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی شان تخلیق کا کمال ہے جو آوازوں، شکل و صورت اور طبعیتوں اور مزاجوں میں فرق رکھ کر ان کو پیدا کر رہا ہے۔ یہ تمام اختلافات نشانیاں اور دلیل ہیں اللہ تعالیٰ کے وجود کی۔

کائنات کے تمام کاموں اور چیزوں میں حکمت کھلی دلیل ہے کہ اس کا مالک بہت زبردست حکیم و دانا ہے

پیارے بچو! انسان جتنا زیادہ کائنات میں اور اپنے جسم پر غور کرتا چلا جائے گا اُسے اتنی ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت (پہچان) ملتی چلی جائے گی اور وہ اللہ تعالیٰ کو مانے بغیر رہ نہیں سکے گا، غور کرو ہمارے ہاتھوں میں پانچ پانچ انگلیاں ہیں اور پانچوں انگلیاں الگ الگ لمبائی کی ہیں۔ کوئی بڑی، کوئی چھوٹی کوئی پتلی، اور کوئی موٹی، تو کوئی دبلی ہر

ایک میں تین تین جوڑ مساوی مساوی فاصلہ پر ہیں مگر انگوٹھا میں دو جوڑ ہیں۔ پھر تمام انگلیوں میں انگوٹھا کو موٹا بنایا گیا۔ جو ہر انگلی کے ساتھ کام کرتا ہے اور سب انگلیوں پر پھرتا ہے غور کرو انگلیوں کی اس بناوٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنانے والے نے ایک خاص حکمت منصوبہ اور پلان کے تحت انگلیوں کو ایسا بنایا ہے تا کہ انسان اپنے ہاتھوں سے مختلف کام کر سکے کسی بھی چیز کو مضبوطی سے پکڑ سکے۔ مٹھی بند کر کے گھونسا بنا کر اپنا بچاؤ کر سکے اور قلم کو مضبوطی سے پکڑ سکے اور کھانے کا نوالہ بنا سکے۔ اگر انگلیاں اپنے آپ بنی ہوتیں تو سب کی سب برابر ہوتیں، پتلی اور موٹی نہ ہوتیں، بڑی، چھوٹی نہ ہوتیں، انگوٹھا موٹا نہ ہوتا انسان کو اپنے ہاتھ میں قلم پکڑنے اور نوالہ بنانے کیلئے انگلیوں کا چھوٹا بڑا ہونا بہت ضروری تھا پھر ایک ہاتھ کی انگلیاں جیسی ہیں بالکل ویسی ہی دوسرے ہاتھ کی انگلیاں ہوتی ہیں دونوں ہاتھوں کی انگلیاں گویا ایک دوسرے کا عکس ہوتی ہیں اگر ایک ہاتھ کی درمیانی اور بیچ کی انگلی بڑی ہے تو دوسرے ہاتھ کی درمیانی اور بیچ کی انگلی بھی بالکل ویسی ہی ہوتی ہے۔ ہاتھ کی اس بناوٹ سے اللہ تعالیٰ کی صفت تخلیق اور صفت مصوّر اور صفت ربوبیت اور صفت حکمت اور صفت رحمت آسانی سے سمجھ میں آتی ہیں کہ ہاتھوں کی یہ بناوٹ اپنے آپ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے خاص منصوبہ اور حکمت کے تحت ایسا بنایا۔ انسانوں اور دوسرے جانداروں کے ہاتھ دن رات انسانوں سے اپنی خاموش زبان میں یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم خود سے ایسے نہیں بنے بلکہ ہمارے مالک نے ہم کو ایسا بنایا ہے ہم کو دیکھ کر تم اپنے مالک کی قدرت کو یاد کرو **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا**

ترجمہ: اے میرے رب تونے کوئی چیز بیکار اور عبس نہیں بنائی۔

اسی طرح چہرے کی بناوٹ پر غور کرو چہرے میں خاص طور پر آنکھوں ہی کی جگہ گڑھے کیوں ہیں دراصل انسان کے لئے آنکھیں بہت ہی قیمتی چیز ہیں ان کی حفاظت

بھی بہت ضروری ہے اگر وہ اپنے آپ بنتی ہوتیں تو چہرے میں اندر کو نہیں رہتیں بلکہ دوسرے اعضاء کی طرح ابھری ہوئی ہوتیں، آنکھوں کی بناوٹ سے ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ بنانے والے نے ان کی حفاظت اور بچاؤ کی خاطر ان کو گڑھوں میں رکھا ہے اور اس پر با قاعدہ ڈھکن بھی بنائے تا کہ انسان گر جائے تو آنکھ محفوظ رہے، نیز گرد، مٹی، کنکر، اور کیڑوں سے محفوظ رہے۔ آنکھوں کی بناوٹ پر انسان غور کرے تو اس کو خدا کی حکمت سمجھ میں آئے گی۔ بنانے والے نے انہیں دس پردوں میں رکھ کر بنایا ہے اُن میں سے ایک بھی کم ہو تو انسان کے دیکھنے میں خلل پڑ جاتا ہے اگر اپنے آپ آنکھ بنتی تو دس پردے کیسے بنتے۔ پھر اس پر بھی غور کرو کہ انسان کے سر اور داڑھی کے بال تیزی سے بڑھتے ہی رہتے ہیں۔ عورتوں کی تو چوٹی بن جاتی ہے آخر بھنوں، پلکوں اور ہاتھوں پیروں کے بال کیوں نہیں بڑھتے۔ بالوں پر کس کی حکمرانی ہے غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنانے والے نے جس جگہ کے بال جتنے بڑھانے تھے اُتنے ہی بڑھنے کا حکم اور صلاحیت دے رکھا ہے تا کہ جانداروں کو تکلیف ہونے نہ پائے اور وہ بد شکل نہ ہو جائیں اگر انسان کا جسم اپنے آپ بنتا اور بڑھتا تو ہر جگہ کے بال سر اور داڑھی کے بالوں کی طرح بڑھتے تھے بالوں کے اس نظام کو دیکھنے سے اللہ تعالیٰ کا خاص منصوبہ اور پروگرام سمجھ میں آتا ہے کہ وہ خالق ہونے کے ساتھ ساتھ مصور حکیم و داتا ہے اور زبردست حاکم و مالک بھی ہے اسی طرح غور کرو داڑھی مردوں کو آتی ہے عورتوں کو نہیں اگر انسان خود بخود پیدا ہوتا تو دونوں کو داڑھی ہوتی۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنانے والا مصوّر ہونے کے ساتھ ساتھ حکیم بھی ہے، جس نے اپنی خاص حکمت کے تحت مردوں کو داڑھی دی ہیں، اور عورتوں کو نہیں دی **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا** ترجمہ: اے میرے رب تونے کوئی چیز بیکار، عبس نہیں بنائی۔ اسی طرح غور کرو انسان کے پورے جسم پر

بال ہیں مگر ہتھیلیوں' تلووں' پر بال نہیں' اگر انسان کا جسم خود بخود بنتا ہوتا تو ہر جگہ بال ہوتے مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بنانے والے نے خاص طور سے ہتھیلیوں اور تلووں پر اور ہونٹوں پر بال نہیں رکھے' اگر ان حصوں پر بھی بال ہوتے تو انسان کیلئے بہت مشکل ہو جاتی اسلئے کہ انسان کھانا کھانے' کھانا پکانے اور برتن صاف کرنے میں ہاتھوں کا استعمال کرتا ہے ہاتھ کی انگلیوں کو منہ میں لیتا ہے کھانا' سالن چھوستا چاٹتا' اور چاول' گوشت مسالوں کو ملانے کیلئے ہاتھوں کا استعمال کرتا' اور کسی چیز کے ٹھنڈا گرم کو پہچانتا ہے' روٹی اُسی سے پکاتا' بول براز بھی ہاتھوں ہی سے صاف کرتا ہے' تو بال اس کے لئے تکلیف دہ ہو جاتے اور اس کی غذا اور منہ میں بھی چلے جاتے اور بالوں میں گندگی گھس جاتی۔ اس لئے بنانے والے نے بڑی ہی حکمت اور خاص منصوبہ کے تحت جانداروں کے جسموں کو بنایا اگر جسم خود بخود بنتا ہوتا تو اس کی تخلیق میں اتنی حکمت و مصلحت نہ ہوتی۔ **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا** ترجمہ :اے میرے رب تو نے کوئی چیز بیکار عبس نہیں بنائی۔ اسی طرح غور کرو انسان کی ناک میں بال کی ضرورت کیوں تھی؟ کیا بات ہے جسم کے اندرونی حصے میں کہیں پر بھی بال نہیں' مگر ناک کی نالیوں میں بال کو پیدا کرنے کی حکمت کیا ہے؟ غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ انسان کی تخلیق کرنے والے نے انسان کو ناک سے سانس لینے کی ضرورت رکھی اور اگر ناک کی نالی پر بال نہ ہوتے تو ہوا کے جراثیم گرد و غبار سانس کے ذریعہ انسان کے پھیپڑوں میں چلے جاتے اور انسان کی صحت خراب ہو جاتی۔ ذرا غور کرو بنانے والے نے انسانی جسم کی تخلیق میں کتنا خیال رکھا ہے۔ **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا** ترجمہ :اے میرے رب تو نے کوئی چیز بیکار عبس نہیں بنائی۔ اسی طرح انسان اپنے دانتوں کی بناوٹ پر غور کرے کہ سامنے کے دانت پتلے' تیز' اونچے اور کترنے کے قابل ہوتے ہیں۔ پیچھے کے دانت موٹے موٹے چبانے کے

قابل ہوتے ہیں اگر دانت اپنے آپ بنتے تو اس طرح کیوں ہوتے؟ سب کے سب ایک ہی طرح کے ہوتے' گوشت خور جانداروں کے دانت خاص طور پر ایسے ہوتے ہیں۔ دانتوں کی بناوٹ سے انسان اللہ تعالیٰ کے وجود کو پہچان سکتا ہے کہ اس کا یہ خاص منصوبہ اور حکمت ہے کہ اس نے دانتوں کو ایسا بنایا پھر غذا کو حلق میں اتارنے کیلئے پانی چاہیے تھا۔ زبان کے نیچے ہی سے پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔ تاکہ غذا تر ہو کر آسانی کے ساتھ حلق میں اُتر سکے گلے میں نہ پھنسے' سوچو کہ یہ کیا اپنے آپ ہو رہا ہے یا کسی کا خاص منصوبہ ہے۔ **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا** ترجمہ :اے میرے رب تو نے کوئی چیز بیکار عبس نہیں بنائی۔ اسی طرح ہر جاندار کی ناک منہ کے اوپر اور قریب بنائی گئی۔ جانداروں میں غذا بعض ہاتھ میں اُٹھا کر کھاتے اور بعض جو چونچ اور منہ کو غذا کے قریب لے جا کر کھاتے ہیں۔ اگر ناک منہ سے دور ہوتی' کان یا سینہ پر ہوتی تو ہاتھ سے کھانے والوں کو پہلے غذا ناک کے پاس لے جا کر اس کے اچھے یا خراب ہونے کو سونگھنا پڑتا پھر کھانا پڑتا۔ اور جو چونچ اور منہ سے کھاتے ہیں وہ اچھی اور خراب سب غذا کھا لیتے مگر جسم کی تخلیق اس حکمت سے کی گئی کہ تمام جاندار غذا کو منہ میں ڈالنے سے پہلے ناک منہ کے قریب ہونے کی وجہ سے اچھی اور خراب غذا کو سونگھ کر پہچان لیتے اور پھر غذا کو کھا لیتے ہیں۔ ذرا غور کرو کیسا منصوبہ اور پلان ہے ناک کو منہ کے ساتھ رکھنے کا کیا یہ خود بخود ایسا ہو سکتا ہے؟ نہیں تو پھر خدا کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا** ترجمہ :اے میرے رب تو نے کوئی چیز بیکار عبس نہیں بنائی۔ انسانوں کے سروں کے بالوں پر غور کرو بنانے والے نے تمام انسانوں کے سروں کے بالوں کا رنگ موٹائی ایک ہی رکھی۔ ایک ہی سر میں بال موٹے' باریک نہیں ہوتے' ہر بال کی جسامت برابر برابر ہوتی ہے اور وہ گھنے ہوتے ہیں ان میں برابری ہونے کی وجہ سے انسان کی خوبصورتی برقرار

رہتی ہے بوڑھاپے میں سر پر بال کم ہوجاتے ہیں اور خوبصورتی ختم ہوجاتی ہے۔ انسان کی آواز میں بچہ کو بچے جیسی آواز' عورت کو عورت جیسی آواز مرد کو مرد جیسی آواز عطا فرمایا۔ اگر بچے کی آواز بوڑھے جیسی ہوتی اور عورت کی آواز مرد جیسی ہوتی تو کتنا بھونڈا پن دیکھتا۔ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہی حکمت ہے۔

عورت کو پیدا کیا اور عورت اور مرد کی فطرت کو الگ الگ بنایا اگر عورت کی فطرت طبعیت' عادت مرد جیسی ہوتی اور مرد کی فطرت طبعیت عادت عورت جیسی ہوتی تو انسان کی زندگی بدمزا ہوجاتی۔ عورت میں عورت پن اور مرد میں مرد پن یہ حکمت خداوندی ہے' انسان کو اللہ تعالیٰ پانچ پانچ انگلیاں عطا فرمایا بعض لوگوں کو چھ انگلیاں بھی ہوتی ہیں مگر چھٹی انگلی کسی کام کی نہیں ہوتی۔ انسان کیلئے پانچ پانچ انگلیاں دو ہاتھ اور دو پیر انتہائی موزوں اور حکمت سے بھرپور ہیں اسکے بجائے چار ہاتھ اور چار پیر ہوتے تو وہ انسانی شکل وصورت کو بگاڑ دیتے اور موزوں نہ ہوتے اس کی خوبصورتی بھی خراب ہوجاتی۔ ذرا یہ بھی غور کرو کہ کائنات کے بنانے والے نے کائنات کی تمام چیزوں کو رنگ دار بنایا اور ہر چیز کو کوئی نہ کوئی رنگ عطا فرمایا مگر پانی کو اس نے بے رنگ رکھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو بے رنگ بنا کر اس میں بے انتہا اپنی حکمتیں اور مصلحتیں رکھ دی جس کی وجہ سے مختلف کاموں میں پانی کا استعمال انسانوں کیلئے آسان ہوگیا اگر پانی رنگدار ہوتا تو اس کا استعمال کرنا بہت مشکل ہوجاتا اور ہر بار پانی کو چھان کر پینا پڑتا' بے رنگ ہونے سے اس کی پاکی اور شفافیت علانیہ ظاہر ہوتی ہے چنانچہ پانی بے رنگ ہونے کی وجہ سے انسان اُسے جیسا چاہے استعمال کرسکتا ہے ذرا غور کرو پانی کا بے رنگ ہونا کیا خود بخود ہے یا کسی کی خاص پلاننگ اور حکمت ہے غور کرنے پر معلوم ہوگا کہ بنانے والے نے اسے خاص طور پر بے رنگ رکھا ہے وہ خود سے بے رنگ نہیں۔ **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا**

ترجمہ :اے میرے رب تونے کوئی چیز بیکار'عبس نہیں بنائی۔ اسی طرح درختوں میں پودوں' بڑے بڑے گھنے درختوں اور بیلوں کا ہونا اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت ہے ایک شخص آم کے درخت کے نیچے آرام کرتے کرتے یہ سونچا کہ اگر مجھے درخت بنانے کا اللہ اختیار دیتا تو میں اس بڑے درخت پر تربوز' کدو اور خربوز کو رکھتا۔ تھوڑی دیر بعد ایک آم ناک پر گرا اور ناک سے خون جاری ہوگیا۔ تو اس نے کہا اے اللہ بے شک تیری حکمت سے تو ہی بہت اچھی طرح واقف ہے اگر تو تربوز' خربوز کو آم کی طرح درختوں پر لٹکا دیتا تو سارے پھل گر کر ٹوٹ بھی جاتے۔ بے شک تو نے مخلوقات کے فائدوں کی خاطر درختوں میں بیلوں کو بھی رکھا ہے۔ **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا** ترجمہ :اے میرے رب تونے کوئی چیز بیکار'عبس نہیں بنائی۔

سمندروں کے پانی کو کھارا کیوں بنایا گیا؟ اگر وہ کھارا نہ ہوتا تو سڑ جاتا اور پھر انسانوں کیلئے نمک کہاں سے آتا۔ بنانے والے نے اس کو کھارا بنا کر اپنی حکمتیں اُس میں پوشیدہ رکھی ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے عقل وفہم عطا کیا تو وہ اپنے پیروں کو محفوظ رکھنے کے لئے جوتا چپل پہنتا ہے اور پیروں کو محفوظ رکھتا ہے مگر جانور اپنے لئے جوتا چپل نہیں بنا سکتے اسلئے بنانے والے نے انکو کھر دیئے تاکہ انکے پیر محفوظ رہیں۔ جانداروں میں کھروں کا ہونا کیا خود بخود ہے یا با قاعدہ منصوبہ کے تحت دیئے گئے ہیں۔ **رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا** ترجمہ :اے میرے رب تونے کوئی چیز بیکار'عبس نہیں بنائی۔

جانوروں میں جتنے جانور ہیں ان میں اگر شیر کی آواز بلی جیسی ہوتی اور بلی کی آواز شیر جیسی اور کتے کی آواز بکری جیسی اور کوئل کی آواز گدھے جیسی ہوتی' ہاتھی کی آواز شیر جیسی تو کتنا بھونڈا پن معلوم ہوتا' بنانے والے نے ہر جانور کو انکی مناسبت' حیت' اور رعب کے لحاظ سے آوازیں دی ہیں ہر ایک کی آواز اپنے آپ خود سے نہیں بنی بلکہ اللہ کی طرف سے دی گئی ہے۔

کائنات کی تمام چیزوں میں ربط، ضبط، تعاون اور ڈسپلین اللہ تعالیٰ کے وجود کی علامت ہے

کائنات کی تمام مخلوقات انسانوں کی طرح عقل وفہم سے خالی ہونے کے باوجود اُن میں ڈسپلین ہی ڈسپلین ہے اور وہ بغیر کسی بیرونی تربیت اور رہنمائی کے اُصول، ضابطہ کے ساتھ کام کرتیں اور ایک دوسرے سے ربط وتعاون رکھتی ہیں۔ ان کے ربط وضبط اور ڈسپلین کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی ان کی باقاعدہ تربیت ورہنمائی کر رہا ہے جس کی وجہ سے وہ ایسے اعلیٰ اور عمدہ ڈسپلین اور اصول وضابطہ سے اپنا کام کر رہی ہیں اور ایک دوسرے سے ربط وتعاون رکھتیں ہیں ہوا کا ربط وتعاون انسانوں سے اور تمام جانداروں سے ہے وہ ان کو سانس لینے اور دوسرے کاموں میں مدد دیتی ہے، ہوا کا تعاون اور ربط پانی سے ہے اگر ہوا نہ ہوتی تو پانی بخارات بن کر نہ اڑتا اور بادلوں کی شکل میں آسمانوں پر نظر نہ آتا۔ اور موسموں کے لحاظ سے ہر جگہ نہ برستا۔ ہوا کا دباؤ جب کم زیادہ ہوتا ہے تو زمین کی نباتات کو طغیانی اور طوفان کے ذریعہ پانی ملتا ہے اور میلوں ایکڑ زمین سیراب ہوتی ہے۔ اسی طرح سورج زمین کی مخلوقات کے لئے ضروری ہے زمین پر بسنے والی مخلوقات کو گرمی اور روشنی کی ضرورت تھی۔ سورج کھیتوں، کی پیداوار کو تیار کرنے میں بڑی مدد دیتا ہے اگر زمین کی گردش کا نظام نہ ہوتا تو زمین کا ایک حصہ ہمیشہ کیلئے سورج کے سامنے ہوتا اور ایک حصہ ہمیشہ کیلئے دور ہو کر اندھیرے میں رہتا جس کی وجہ سے ایک حصے میں روشنی اور گرمی ہی رہتی اور دوسرے حصے میں اندھیرا اور سردی ہی رہتی۔ زمین پر مسلسل دن ہی دن رہے یا رات ہی رات رہے یا گرمی ہی گرمی یا سردی ہی سردی رہے تو مخلوقات کا زندہ رہنا مشکل ہو جاتا۔ چنانچہ زمین کی گردش کی

وجہ سے زمین پر مختلف موسم بننے اور دن رات کا نظام چلتا ہے جس کی وجہ سے مخلوقات کیلئے زندگی گذارنا آسان ہو گیا۔

زمین کی پیداوار کیلئے نہ ہمیشہ سردی چاہیے اور نہ ہمیشہ گرمی چاہیے بلکہ گرمی، سردی اور برسات چاہیے تب ہی پیداوار ہو سکتی ہے ورنہ صرف گرمی ہی گرمی سے سبزہ جل جاتا اور صرف سردی ہی سردی سے برف جم جاتی۔ ذرا غور کرو کائنات کی مخلوقات میں کیسا ربط وتعاون ہے۔ اگر زمین پر درخت نہ ہوتے تو زمین کی پوری فضاء کاربن ڈائی آکسائیڈ میں تبدیل ہو جاتی اور آکسیجن ختم ہو جاتی۔ اور جانداروں کی زندگی مشکل ہو جاتی، مگر یہی نباتات جانداروں کی چھوڑی ہوئی فضا کاربن ڈائی آکسائیڈ کو صاف کر کے آکسیجن بناتے اور جانداروں کی زندگی میں تعاون کرتے ہیں، اگر زمین پر نباتات کم ہو جائیں تو گرمی بہت زیادہ بڑھنا شروع ہو جاتی ہے گرد وغبار بڑھ جاتا ہے، چاند، رات کی تاریکی میں ٹھنڈی روشنی چھوڑ کر مخلوقات کو نیند وآرام لینے میں مدد دیتا اور دنیا میں دن کے ختم ہونے اور ایک نئے دن کے آنے کا احساس پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ رات اور نیند کی وجہ سے انسان اپنی پوری تھکان کو اتار سکتا ہے۔ اور ہر صبح انسانوں اور جانداروں کیلئے ایک نیا دن اور نئی تاریخ بنتی ہے اور انسانوں کی زندگی گذارنے میں سہولت فراہم کرتی ہے۔

زمین اپنے پیٹ میں پانی کو جذب کر کے مختلف نباتات کو اُگاتی ہے، اور گود میں مختلف مخلوقات کو رہنے کا موقع دیتی ہے۔ مختلف نباتات مختلف مخلوقات کیلئے غذائیں اور ان کی دوسری ضروریات کا سامان مہیا کرتے ہیں ذرا غور کرو زمین نہ ہوتی تو مخلوق کہاں رہتی اور نباتات کہاں اُگائے جاتے اور نباتات نہ ہوتے تو غذاؤں اور دوسری ضروریات کا سامان کہاں سے ملتا۔

زمین پر بڑے بڑے پہاڑ جو زمین کو ہلنے نہیں دیتے ہواؤں کو روک کر اپنے اوپر بادلوں سے برف جمع کر لیتے ہیں اور پھر اُن سے زمین پر بڑے بڑے دریا بہے نکلتے ہیں اور اُن دریاوں کی وجہ سے زمین پر طرح طرح کی کھیتیاں زندہ ہوتی ہیں۔

مختلف حیوانات غذاؤں کی مختلف چیزیں مہیا کرنے کا ذریعہ ہیں۔ حیوانات کی غذا نباتات اور پانی ہے اور نباتات کی غذا پانی ہے۔ سائنس کہتی کہ زمین گول ہے مگر ہمیں مسطح نظر آتی ہے اور گول محسوس نہیں ہوتی باوجود گول ہونے اور گردش کرنے کے مخلوقات کو محسوس ہی نہیں ہوتی۔ جبکہ وہ 1000 میل فی گھنٹے کی رفتار سے گردش کر رہی ہے باوجود گول ہونے کے پانی ہر جگہ دستیاب ہو جاتا ہے حالانکہ گول ہونے سے اونچائی کا پورا پانی ڈھلک کر نیچے ڈھلوان کی طرف آ جانا چاہیے تھا۔ آخر کوئی ذات ہے جو زمین کے ہر حصے میں پانی کو رکھا ہے زمین اور دوسرے تمام سیارے، ستارے، خلا میں معلق ہیں اور خلا میں تیر رہے ہیں مگر کبھی ایک دوسرے سے نہیں ٹکراتے اور سورج، چاند، ہوا، پانی نباتات، جمادات، حیوانات وغیرہ سب کا تعلق وتعاون اور ربط وضبط ایک دوسرے سے ہے اور وہ مخلوقات کی ضروریات پوری کر رہے ہیں۔ بیشک ایک چیونٹی، ایک مکوڑہ، ایک بڑا درخت اور ایک چھوٹا پودا ایک انسان اور چرند، پرند، یہ کہیں کہ ہوا، روشنی اور پانی میرے لئے برس رہا ہے تو اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اگر کائنات خود بخود بنتی تو کائنات کی چیزوں میں اتنا نظم ڈسپلین، سلیقہ ربط وتعاون نہ ہوتا ہر چیز اصول اور ضابطے کے ساتھ پیدا ہو رہی ہے اور اپنی اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہی ہیں اگر اس کائنات کا کوئی بنانے والا اور چلانے والا نہ ہوتا تو ہر چیز سے بے اصولی بے ضابطگی اور بے ڈھنگا پن ہوتا اور کائنات بدسلیقہ ہو کر فساد کا شکار رہتی۔

پوری کائنات میں پرورش ونگہداشت کا نظام اللہ تعالیٰ کے وجود کو سمجھاتا ہے

ذرا غور کرو پیدا کرنے والے نے جس مخلوق اور جس ذرہ کو جس ماحول میں پیدا کر رہا ہے اس کو اُسی ماحول میں اس کی ضروریات زندگی کا سامان مہیا کر رہا ہے، مچھلی، مگرمچھ کو اپنی غذاء حاصل کرنے کے لئے پانی میں سے زمین پر آنا نہیں پڑتا اور نہ گائے، بیل، بھینس بکری کو اپنی غذاء حاصل کرنے کیلئے زمین سے پانی میں جانا پڑتا ہے اور برفانی علاقوں میں رہنے والوں کو اپنی ضروریات پوری کرنے کیلئے نہ غیر برفانی علاقوں میں آنا پڑتا ہے اور نہ پہاڑوں والی مخلوق کو زمین کے دامن میں آنا پڑتا اور نہ جنگلوں کی مخلوق کو آبادیوں میں آنا پڑتا ہے، اور نہ آبادی والی مخلوق کو جنگلوں میں جانا پڑتا ہے جو جس ماحول میں ہوتا ہے اس کو سامان زندگی وہیں پر مل رہی ہے اور پھر ہر مخلوق کو ان کی عمر اور ان کی طبعیت ومزاج کے مطابق ضروریات مل رہی ہیں چھوٹا بچہ پیدا ہوتے ہی ماں کے سینے میں دودھ آ جاتا ہے۔ ذرا غور کرو یہ سب انتظامات کیا اس بات کی دلیل نہیں کہ کوئی ذات ہے جو کائنات کا باقاعدہ یہ نظم چلا رہی ہے آخر بغیر ناظم کے نظم کیسا؟ بغیر پرورش کرنے والے کے پرورش کیسی۔ جبکہ کائنات کی پرورش میں حکمت ہی حکمت اصول اور ضابطہ ہی ضابطہ اور قانون ہے ان تمام چیزوں پر غور کرنے کے بعد انسان خدا کا انکار نہیں کر سکتا۔ اس کو ماننا ہی پڑے گا۔ ذرا غور کرو جب مخلوقات کے سانس لینے کیلئے ہوا، پیاس بجھانے کیلئے پانی، بھوک مٹانے کیلئے غذائیں، بیماریوں کو دور کرنے کیلئے دوائیں اور راستوں کا سفر طے کرنے کیلئے سواریاں، اور سواریوں کو دوڑانے کیلئے پٹرول اور چولہوں کو جلانے کیلئے آگ، جسم کو ڈھانکنے کیلئے لباس، تھکان کو دور کرنے کیلئے نیند،

ضرورت کا سامان بنانے کیلئے لکڑی‘ لوہا‘ نفسانی خواہشات کو دور کرنے کیلئے نر اور مادہ‘ سیر وتفریح کیلئے باغات‘ چمن ندی نہریں‘ سب کچھ ہیں تو کیا یہ تمام چیزیں بغیر کسی منصوبہ اور پروگرام کے وجود میں آ گئیں۔ ایک چھوٹا بچہ بھی یہ نہیں کہتا کہ بغیر پکائے سالن‘ روٹی‘ چاول پک جاتے ہیں اور بغیر نکالے دسترخوان پر خود بخود پلیٹوں‘ برتن میں آ جاتے ہیں۔ ترکاری خود بخود کٹ کر گوشت خود بخود قیمہ ہو کر برتن میں پک جاتا اور سالن تیار ہو جاتا ہے۔ نہ کوئی چاول پکانے والا ہے اور نہ روٹی ڈالنے والا ہے اور نہ سالن تیار کرنے والا ہے اگر کوئی ایسا کہے تو چھوٹا بچہ بھی اس کو پاگل اور بیوقوف کہے گا۔ انسان ہر چیز کا انکار کر سکتا ہے مگر اپنی فطرت سے انکار نہیں کر سکتا اور وہ ہر چیز کے خلاف جنگ کر سکتا ہے مگر اپنی فطرت کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھا سکتا۔ یہ تمام باتیں اس بات کی کھلی علامت اور نشانی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باقاعدہ دنیا کا انتظام چلانے کے لئے مخلوقات کی ضروریات کے لحاظ سے الگ الگ چیزوں کو منصوبہ بند طریقے کے ساتھ بنایا اور پیدا کیا ہے اور یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے وجود کی گواہی دیتی ہیں۔ اتنی تمام علامات اور نشانیوں کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا بیوقوفی ہے اگر کوئی انسان اللہ تعالیٰ کا انکار کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ کائنات میں زمین‘ آسمان‘ ہوا‘ پانی‘ بادل‘ سورج‘ چاند‘ ستارے‘ پہاڑ‘ انسان‘ درخت‘ پودے‘ حیوانات‘ جمادات‘ معدنیات وغیرہ سب کچھ تو موجود ہیں مگر ان کا بنانے پیدا کرنے اور پالنے والا کوئی نہیں۔ یعنی ہوا تو موجود ہے مگر ہوا کا چلانے والا کوئی نہیں‘ بادل تو موجود ہیں مگر ان کا برسانے والا کوئی نہیں۔ پانی دریا ندی اور تالے تو موجود ہیں مگر ان کو رواں دواں کرنے والا کوئی نہیں۔ سورج‘ چاند‘ ستارے‘ تو

موجود ہیں مگر ان کو طلوع وغروب کرنے والا کوئی نہیں‘ پیدائش تو ہو رہی ہے مگر پیدا کرنے والا کوئی نہیں‘ موت تو آ رہی ہے مگر موت دینے والا کوئی نہیں۔ ایسا نہ ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ پیدائش ہے تو کوئی پیدا کرنے والا ہونا ضروری ہے۔ موت آ رہی ہے تو کوئی موت دینے والا ہونا ضروری ہے۔ رحم ہے تو رحم کرنے والا ہونا ضروری ہے قدرت ہے تو قادر کا ہونا ضروری ہے۔ حکومت ہے تو حاکم کا ہونا ضروری ہے پرورش ہے تو پالنے والا ہونا ضروری ہے حکمت ہے تو حکیم کا ہونا ضروری ہے نظم ہے تو ناظم کا ہونا ضروری ہے۔

دہریے لوگ خدا کی جگہ فطرت نیچر (Nature) کو مانتے ہیں

دہریے لوگ اکثر بحث کرتے وقت خدا کو نہیں مانتے البتہ یہ کہتے ہیں کہ نیچر فطرت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ نیچر دراصل کیا ہے وہ دراصل قدرت ہی ہے۔ مگر وہ قدرت کو سمجھتے نہیں بس نیچر نیچر کی رٹ لگائے بحث کرتے ہیں ان کو یہ پوچھا جائے کہ نیچر میں اختلاف کیوں؟ نیچر میں ربط وتعاون کیسے؟ جب کائنات کی چیزوں میں نیچر سے ڈسپلین ہے تو پھر وہ ڈسپلین انسانوں اور جنوں میں کیوں نہیں؟ نیچر سے ہر انسان خوبصورت ہونا چاہیے تھا۔ ہر انسان عقلمند ہونا چاہیے تھا نیچر سے ہر انسان کی عمر ایک ہی ہونی چاہیے تھا ان کی طبعیت فطرت‘ عادت‘ سب ایک ہونا چاہیے تھا یہ لوگ نہ نیچر کو سمجھ سکتے اور نہ سمجھا سکتے ہیں۔ بس بغیر سمجھے نیچر کی بحث کرتے ہیں۔

دہریے لوگوں پر جب مصیبت آتی ہے تو وہ بھی خدا کو پکارے بغیر نہیں رہتے

دنیا میں بہت سے لوگ ایسے گذرے ہیں جو زندگی بھر خدا کا انکار کرتے تھے مگر ان کی زندگیوں میں کوئی نہ کوئی وقت ایسا آیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے وجود کو ماننے پر مجبور ہو گئے

اور اپنی بے بسی اور محتاجی کو جان کر اپنے اوپر کسی بڑی غیبی طاقت کے ہونے کا اقرار کئے

امام جعفر صادقؒ کے پاس ایک دہریہ آیا اس نے کہا کہ میں خدا کو نہیں مانتا امام نے پوچھا تم نے کبھی سفر کیا ہے اس نے کہاں ہاں دریافت کیا کہ کیا کبھی کوئی سفر میں دقت اور پریشانی پیش آئی تو اُس نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ میں کشتی کے ذریعہ سمندر کے راستے سے سفر کر رہا تھا اچانک طوفان آ گیا ہواوں کی تیزی اور موجوں کی زیادتی کی وجہ سے میری کشتی پتھروں سے ٹکرا کر ٹوٹ گئی اور میں کشتی کے ایک ٹوٹے ہوئے تختہ سے چمٹ کر تیرنے لگا لیکن موجوں کی تیزی کی وجہ سے وہ بھی مجھ سے چھوٹ گیا اب میں بے سہارا ہو گیا اور دل ہی دل میں کسی کی مدد اور سہارے کو ڈھونڈنے لگا' تیرتا ڈوبتا کنارے پر آ گیا امام صاحب نے یہ سارا قصہ سن کر کہا کہ جب تم کشتی میں تھے تو تمہاری نظر ملاح پر تھی پھر جب کشتی ٹوٹی تو ٹوٹے ہوئے تختہ پر تھی' لیکن جب تختہ بھی چھوٹ گیا تو تم کو جس ذات سے امید تھی اور جس کی مدد تم تلاش کر رہے تھے وہی ذات اللہ تعالیٰ ہی کی ہے چنانچہ سارے سہارے چھوٹے جانے کے بعد تمہارا ضمیر تم کو پیدا کرنے والے کی اُمید کی طرف لے گیا تم نہیں تمہارا ضمیر اس کی طرف متوجہ ہوا جبکہ تم بے بس ہو چکے تھے اس گفتگو کے بعد دہریہ مان گیا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آیا۔

بچو! انسان بہت سے کام کرتا ہے مگر اس کو ہر کام میں کامیابی نہیں ملتی انسان کو اپنے ارادوں میں کامیابی نہ ملنے پر یہ بات اچھی طرح محسوس کرنی چاہیے کہ سارے وسائل استعمال کرنے کے باوجود ناکامی کی وجہ یہ ہے کہ مجھ سے اوپر کوئی ذات ہے جو مجھ کو ناکام بنا رہی ہے چنانچہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں ارادوں میں ناکامی سے مجھے خدا کی معرفت حاصل ہوئی۔

حضرت علیؓ کی گفتگو کا (مفہوم) انہوں نے ایک دہریے سے کہا تھا کہ اگر تمہارے بیان کے مطابق خدا نہیں ہے تو مرنے کے بعد ہمارا اور تمہارا حشر ایک ہی ہوگا۔ یعنی پیدا ہونا اور پھر فنا ہو جانا کوئی حساب کتاب نہیں کوئی جنت دوزخ نہیں لیکن اگر ہمارے ایمان اور عقیدے کے مطابق خدا ہوا تو پھر حساب ہوگا اور ہم انشاءاللہ جنت میں جائیں گے مگر تم افسوس اور حسرت کے ساتھ ہاتھ ملتے رہے جاؤ گے اور دوزخ کا ایندھن بن جاؤ گے ذرا غور کرو کتنا عقل کو اپیل کرنے والا جواب ہے۔ عام طور پر انسان اپنی مصیبت اور پریشانیوں میں جب ہر طرف سے ناکام اور نا امید ہو جاتا ہے تو آسمان کی طرف نگاہیں اُٹھانا شروع کر دیتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کوئی طاقت ہے جو تمام انسانوں کی مدد کرتی ہے۔

اللہ ہے تو کہاں رہتا ہے

پیارے بچو! یہ سوال صرف اُسی ذات کے بارے میں کیا جا سکتا ہے جو کسی ایک رخ میں ہو اُسی کی سمت مقرر کی جا سکتی ہے کہ وہ مشرق میں ہے یا مغرب میں ہے اور کسی چیز کے بارے میں جب کوئی سمت مقرر کی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ فلاں سمت میں ہے اور فلاں سمت میں نہیں شمال میں ہے تو جنوب میں نہیں یا مشرق میں ہے تو مغرب میں نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا عرش کیسا ہے ہم اس کو اپنی عقل سے نہیں سمجھ سکتے۔ اس کا عرش اس کی شان کے مطابق ہے جو پوری کائنات کو گھیرے ہوئے ہے وہ عرش سے فرش تک دیکھتا سنتا اور سب کی خبر رکھتا کوئی چیز اس کیلئے پردہ نہیں ہر چیز اس کے سامنے ہے جو ذات مخلوقات کی طرح نہ ہو اور ہر قسم کے عیبوں سے پاک ہو اور ہر قسم کی مجبوری اور محتاجیوں سے پاک ہو جس کے لئے قریب اور

دور کا کوئی سوال ہی نہیں کوئی چیز اس سے چھپی ڈھکی نہ ہو اس ذات کے بارے میں لفظ کہاں اور کس طرح یا کس جگہ جیسے سوالات نہیں کئے جا سکتے۔

خالق تو خالق بعض مخلوقات کیلئے بھی ہم کوئی سمت مقرر نہیں کر سکتے مثلاً اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ ہوا کی علامتیں اور نشانیاں تو سمجھ میں آ رہی ہیں مگر ہوا کس رخ میں ہے اور روشنی کونسی سمت میں ہے روح کس رنگ کی ہے اس کی شکل کیسی ہے؟ عقل کس رنگ کی ہے اس کی شکل کیا ہے؟ تو جس طرح ہوا، عقل اور روح کے متعلق ہم کوئی مثال اور تشبیہ بیان نہیں کر سکتے مگر ماننا پڑے گا ایسے ہی وجود باری تعالیٰ ہے وہ بے مثل ہے روشنی اور ہوا کے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ ان کی کوئی سمت نہیں اور جب مخلوق کے بارے میں یہ سوالات نہیں کئے جا سکتے تو خالق جو اپنی صفات میں لامحدود ہے اور وہ اپنی صفات کے ساتھ ہر جگہ موجود ہے اس کے بارے میں جگہ اور سمت کو مقرر کیسے کیا جا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہے تو نظر کیوں نہیں آتا؟

اس سے پہلے بھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ دنیا امتحان و آزمائش کی جگہ ہے یہاں اصل امتحان یہی ہے کہ انسان اپنے مالک کو دیکھے بغیر پہچان لے اور ایمان لائے اگر اللہ تعالیٰ نظر آ جائے تو پھر امتحان کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ اللہ تعالیٰ دکھائی دیتا تو سب لوگ اس کے حکموں پر زندگی گذارتے اور اس سے ڈرتے کوئی بھی اس کا انکار نہ کرتا اور اس کے ساتھ کسی دوسرے کو شریک نہ بناتا۔ اسلام نے اللہ تعالیٰ کو دیکھے بغیر پہچان کر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات پر زندگی گذارنے کی شرط رکھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ امتحان لینا چاہتا ہے کہ کون ہے جو اللہ کو دیکھے بغیر اس کی ربوبیت، رحمت خالقیت، حاکمیت، اور عدل سے نیز اس کی

نشانیوں اور علامتوں سے پہنچاتا ہے یا انکار کرتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان کرانے کیلئے بے شمار نشانیوں اور علامتوں کو دنیا میں رکھا ہے اگر کوئی تمام نشانیوں اور علامتوں کو دیکھ کر بھی اللہ تعالیٰ کا انکار کرے تو یقیناً وہ بدبخت اور بیوقوف ہوگا کیونکہ وہ حقیقت کے انکار کے ساتھ ساتھ اپنے ضمیر کی بھی آواز کے خلاف عمل پیرا ہوگا۔ اسلئے بچو! جب یہ دنیا انسانوں کیلئے اللہ تعالیٰ کو پہچاننے کی امتحان گاہ ہے تو اس کو دیکھنے کا سوال کرنا عقلمندی نہیں ہے۔

اللہ اگر ہے تو اس کو کس نے بنایا اور پیدا کیا؟

اگر کوئی یہ کہے کہ خدا ہے تو اس کو کس نے بنایا اور پیدا کیا ہے؟ تو یہ سوال ہی غلط ہے سوال کرنے والا یہ سوال کر کے خدا کو بھی مخلوق بنا رہا ہے اس لئے کہ اگر خدا کو کسی نے بنایا اور پیدا کیا تو خدا کہاں رہا، بلکہ بنانے اور پیدا کرنے سے وہ بھی مخلوق ہو جائے گا۔ پیدا ہونا نقص کی علامت ہے اللہ تعالیٰ تو ہر نقص اور عیب سے پاک ہے وہ تو خالق کائنات ہے وہ تو کائنات کے ذرہ ذرہ کو بناتا اور پیدا کرتا ہے یہ سوال مخلوق کے تعلق سے کیا جائے تو ٹھیک ہے مگر خالق کے تعلق سے بالکل غلط ہے۔ جو ذات ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی اور جو پیدائش اور موت جیسی حالتوں اور حاجتوں سے پاک ہے جو ہر قسم کے نقص و زوال سے پاک ہے اس کے بارے میں یہ سوال ہی نہیں کیا جا سکتا اس سوال سے خالق، خالق نہیں رہتا بلکہ مخلوق ہو جاتا ہے اسلئے کہ بنائے جانے اور پیدا کئے جانے کا تعلق مخلوق سے ہے جس کی وجہ سے وہ پیدا ہوتی اور پھر مر جاتی ہے اللہ تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے اس لئے ایسا سوال کرنا کم عقلی، نادانی اور ناسمجھی کی بات ہے۔

اللہ دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

پیارے بچو! دل میں تو ہر انسان کے ہے کہ بے شک کوئی عظیم الشان ہستی ہے جو اس کائنات کو چلا رہی ہے مگر اس کی ذات کو سمجھنا یہ انسان کے بس کی بات نہیں، پس انسان عاجز ہے مگر ماننے پر مجبور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چند صحابہ آ کر عرض کئے کہ کبھی کبھی ہمارے دلوں میں ایسے خیالات اور وسوسے آتے ہیں جن کو ہم اپنی زبان سے ادا نہیں کر سکتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم کو یہ کیفیت حاصل ہے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو یہ خالص ایمان ہے (مطلب یہ کہ دل میں وسوسوں کا آنا اور پھر اُن وسوسوں کو اتنا بدتر جاننا کہ اُن کا زبان پر لانا بھی گناہ سمجھنا یہ کیفیت ایمان کے بغیر ممکن نہیں)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگ علم و دانش کا سوال کرتے ہیں کہتے ہیں کہ خیر اس کو تو خدا نے پیدا کیا۔ یعنی آسمان کو خدا نے پیدا کیا، زمین کو خدا نے پیدا کیا یہاں تک کہ بڑھتے بڑھتے پھر پوچھتے ہیں اچھا تو پھر خدا کو کس نے پیدا کیا؟ آپؐ نے فرمایا یہ شیطانی وسوسہ ہے جب یہ حالت کسی کو پیش آئے تو کہدو۔ **اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ** میں (بغیر دلیل کے) اللہ پر ایمان لایا پیارے بچو! اس طرح کے وسوسے لائق جواب نہیں ہیں، یہ جہالت، نادانی، اور شیطانی سوال ہے اس قسم کی جب بھی کوئی بات دل میں پیدا ہو تو آپ فوراً پکار اُٹھیئے اور شیطان کو شکست دیتے ہوئے کہیے کہ میں بغیر دلیل کے اللہ تعالیٰ کو مانتا ہوں اور بغیر دلیل کے میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہوں۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

مصنف :
مولانا مفتی محمد مصطفیٰ مفتاحی
(صدر شعبہ تخصص فی الدعوہ سبیل السلام حیدرآباد)

مرتب : عبداللہ صدیقی

ناشر:
عَظِیم بُک ڈپو جَامع مَسجِد، دیو بند